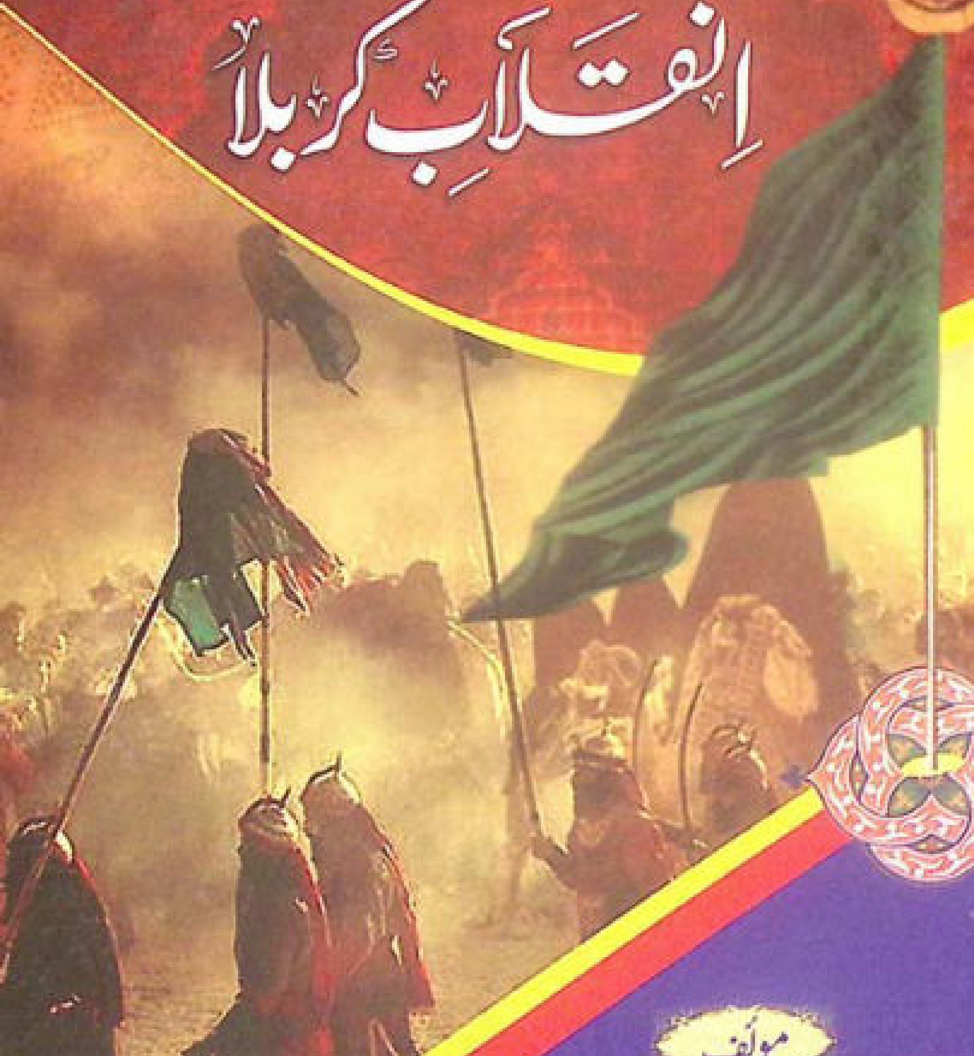
آلِ رسولؐ اور انقلابِ کربلا



مؤلف

حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

آلِ رسولؐ اور انقلابِ کربلا

عشرہ محرم الحرام پر مشتمل شاہکار کتاب

مجموعہ تقاریر

حضرت خطیبِ اکبر علامہ **مرزا محمد اطہر** صاحب قبلہ (انڈیا)

مرتب

مولانا **ندیم عباس** حیدری علوی

[illegible]

نظرِ ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

ناشر

اِدارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 5425372

کتاب : آلِ رسولؐ اور انقلاب کربلا

تقاریر : خطیبِ اکبر علامہ مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ (انڈیا)

مرتب : مولانا ندیم عباس حیدری علوی

نظرثانی : علامہ ریاض حسین جعفری، فاضل قم

پروف ریڈنگ : شیر محمد عابد مولائی

فنی تعاون : زہرا بتول جعفری، محدثہ بتول جعفری

تزئین : محمد عمران حیدر جعفری

کمپوزنگ : ایم۔ اعجاز احمد، احتشام اعجاز

اشاعت : مئی 2016ء

ہدیہ : [redacted] روپے

تعداد : 1000

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

مجلسِ اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

عزیزانِ محترم!

خداوند عالم قرآنِ مجید میں اِرشاد فرمارہا ہے:

''یقیناً! اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالمین پر''۔

قرآنِ پاک میں دو باتوں کا تذکرہ ہے: ایک انتخابِ قدرت کہ اللہ نے چن لیا۔ معلوم ہوا کہ رہبر کا چناؤ اللہ کرتا ہے۔ رہبر کا چناؤ ہمارے اور آپ کے بس میں نہیں ہے۔ نبی ہو یا آلِ نبیؐ وصی نبی ہو یا امام ہو یا ولی ہو ان کا چناؤ اللہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں چنتا ہے؟ غور طلب بات یہ ہے کہ ہم کیوں نہیں چن سکتے؟

عزیزانِ گرامی!

ہمارے چناؤ میں نقص یہ ہے کہ ہم shortsighted ہیں اور ہماری نظر

دور تک نہیں جاتی۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اچھے آدمی ہیں' نیک آدمی ہیں' قاعدے کے آدمی ہیں اور ہم نے چن لیا جب کہ بعد میں وہی نیک آدمی بد ثابت ہوئے' بعد میں وہ قاعدے کے آدمی بے قاعدہ ثابت ہوئے' بعد میں وہ اچھے آدمی بُرے ثابت ہوئے' پہلے جو ہمارے وفادار تھے وہی غدار ہو گئے۔ اب ہم ہاتھ پاؤں پکڑے بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ کیا کریں؟ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ اچھے آدمی ہیں مگر ایسے نکلے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ رہبر ہیں مگر یہ رہ زن نکلے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ نیک ہیں مگر بد نکلے۔ ہم تو کچھ اور سمجھے تھے مگر یہ تو کچھ اور نکلے۔

ہمارے ہاں تو یہ چلتا ہے' لیکن! اگر اللہ ہماری ہدایت و رہبری کسی ایسے شخص کے حوالے کر دے اور بعد میں وہ غدار ثابت ہو اور اللہ کا وفادار نہ رہے تو اللہ کیا کہے گا؟

اچھا! ہمارے پاس ایک excuse ہے۔ ہمارے پاس excuse یہ ہے کہ جناب! میں نے سب دیکھ بھال کے' ٹھوک بجا کے' بہت غور کر کے اور بہت دنوں study کر کے' ان کو چنا تھا' اب میں عالم الغیب تو تھا نہیں جو مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے دل میں کیا ہے۔

یہ میرا excuse ہے کہ میں عالم الغیب تو تھا نہیں' مجھے کیا معلوم کہ یہ دل میں کیا لیے ہوئے بیٹھے تھے اور یہ تو ایسے ثابت ہوئے' اب میں کیا کروں؟

اللہ کیا کہے گا: ہم نے رہبر بنایا تھا میں عالم الغیب تو تھا نہیں۔

لوگ کہیں گے: معبود! تُو نہیں تھا تو پھر تھا کون؟

سوال یہ ہے کہ اگر تو عالم الغیب نہیں تھا تو پھر کون تھا جو انتخاب کرتا۔

لہٰذا اللہ نے یہ انتخاب رہبری اپنے ذمے رکھا۔

عزیزانِ گرامی!

جب اللہ تعالیٰ رہبر کا انتخاب کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے علم جو اس کے پاس ہے' جو کہ عین ذات ہے' اُسے منتخب کر لیتا ہے تو پھر اس کے بعد اس کا امتحان بھی لیتا ہے (صلوٰۃ)۔

اس کے بعد اس کا امتحان لیتا ہے اور جب وہ امتحان کی منزل سے گزر جاتا ہے' تو تب جا کر اس کو خدا ملتا ہے۔

اے معبود! جب تیرا علم ہر شئے پر محیط ہے اور تیرے علم میں کوئی کمی نہیں ہے تو اب امتحان کیسا؟

فرمایا: امتحان میں اپنے لیے نہیں لیتا ہوں۔ امتحان تو میں تمھارے دکھانے کے لیے لیتا ہوں کہ دیکھو! میں نے کیسا رہبر منتخب کیا ہے کہ جو میرے اتنے بڑے امتحانوں سے ثابت قدم گزر جائے گا (صلوٰۃ)۔

جناب ابراہیمؑ اللہ کے نبی' خلیل خدا اور ایسے عظیم المرتبت نبی کہ دنیا کے تین بڑے دین آج تک اُنھیں مانتے ہیں' یعنی مسلمانوں کے ہاں بھی حضرت ابراہیمؑ محترم ہیں' عیسائیوں کے ہاں بھی حضرت ابراہیمؑ محترم ہیں اور یہودیوں کے ہاں بھی حضرت ابراہیمؑ محترم ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہودی بھی مانتے ہیں' حضرت ابراہیمؑ کو عیسائی بھی مانتے ہیں' حضرت ابراہیمؑ کو مسلمان بھی مانتے ہیں۔

بھی حضرت ابراہیمؑ باوجود اس کے کہ انتخابِ قدرت میں مکمل طور پر پورے اُترے ہیں۔

توجہ کیجیے گا!

انتخابِ قدرت میں مکمل طور پر پورے اُترے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

یہ وہ ہیں کہ جس وقت انھوں نے آنکھ کھولی تو انھوں نے ستارے کو دیکھا۔ ان کی قوم ستارہ پرستی کرتی تھی' چاند پرستی کرتی تھی' سورج پرستی کرتی تھی اور بت پرستی بھی کرتی تھی۔ یہ کام بھی side پر لگا ہوا تھا side business تھا' بت پرستی۔ مگر main ان کا جو کام تھا' وہ تھی ستارہ پرستی' چاند پرستی اور سورج پرستی۔

حضرت ابراہیمؑ نے پیدا ہوتے ہی' سمجھ دار ہوتے ہی' ان تینوں کی خدائی کو باطل قرار دیا۔ آپؑ نے ستارے کو دیکھا تو فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ

"یہ ہے میرا خدا"۔

جب ستارہ ڈوب گیا تو فرمایا: ڈوبنے والا میرا خدا نہیں ہو سکتا۔ ڈوبنے والا خدا نہیں ہوتا۔

جب آپؑ نے چاند کو دیکھا تو فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ

"یہ میرا خدا ہے"۔

پھر چاند بھی ڈوب گیا تو فرمایا: یہ بھی میرا خدا نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ بھی

ڈوب گیا۔

جب آپؑ نے سورج کو دیکھا تو فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ

''یہ میرا خدا ہے اور یہ تو سب سے بڑا ہے''۔

یہ تو چاند سے بھی بڑا ہے' ستاروں سے بھی بڑا ہے اور بہت بڑا ہے۔ یہ لیجیے صبح سے لے کر شام تک سورج بھی ڈوب گیا۔ جب سورج ڈوب گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: یہ بھی میرا خدا نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ یہ بھی ڈوب گیا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جیسا کہ قرآنِ کریم میں اِرشاد ہے اگر ہم اس کو minimum ٹائم میں sum up کریں تو چوبیس گھنٹوں کا وقت درکار ہوگا۔ لہٰذا جب شام ہوئی اور ستارہ نکلا تو حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا اور فرمایا: یہ میرا خدا ہے۔ جب ڈوب گیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ میرا خدا نہیں ہے۔

رات تھوڑی سی گزری اور چاند اُبھرا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: یہ میرا خدا ہے۔ جب یہ بھی ڈوب گیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ بھی میرا خدا نہیں ہو سکتا۔

سویرا ہوا' پو پھٹی' سورج نکلا اور شام تک سورج یہ بھی ڈوب گیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ میرا خدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیمؑ نے چاند' سورج اور ستاروں کی خدائی کو باطل تو کیا مگر چوبیس گھنٹے لگے۔ دیکھیے! پہلے زمانے میں اور بعد کے زمانے میں بہت فرق ہے۔

پہلے زمانے میں وقت زیادہ لگتا تھا' بعد کے زمانے میں وقت گھٹ جاتا ہے۔ جب بیل گاڑیوں اور شگرموں کے ذریعے لوگ آتے تھے' زیارت کرنے تو بمبئی پہنچتے تھے' لکھنؤ سے چھ مہینے میں۔ یہ ہماری پیدائش سے پہلے کی باتیں ہیں۔ دوسو برس پہلے' اڑھائی سو برس پہلے' تین سو برس پہلے سفر کے ذرائع تانگے' شگرم' اُونٹ اور گھوڑے ہوا کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے بمبئی آنے میں چھ مہینے لگتے۔

پھر اس کے بعد بمبئی میں اسی مسجد میں ہم نے مجلس پڑھنا شروع کی تو ہم کو لگ بھگ تیس گھنٹے لگتے تھے' لکھنؤ سے بمبئی تک آنے میں۔ صبح سات بجے چلتے تھے اور ایک بجے دوسرے دن پہنچتے تھے۔

لیکن اب وہ زمانہ گزر گیا اور وقت بدل گیا۔ اب دو گھنٹے بھی پورے نہیں لگتے اور ہم لکھنؤ سے بمبئی آ جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وقت ہے' وہ sum up ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں آدھے گھنٹے یا بیس منٹ میں بمبئی پہنچ جائیں اور ان کو اتنی دیر بھی نہ لگے' جتنی ہمیں لگتی ہے۔ وہ کہا کریں گے کہ وہ تو دو گھنٹے میں آتے تھے لیکن ہم تو دس منٹ میں آ جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وقت جو ہے وہ گھٹ جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں وقت زیادہ لگا۔ چاند' سورج اور ستارے کی خدائی کو باطل کرنے میں چوبیس گھنٹے لگے۔ لیکن محمدؐ و آلِ محمدؐ تک آتے آتے زمانہ چوں کہ advance ہو گیا تھا لہٰذا منٹوں میں ان کی خدائی باطل ہو گئی۔

★ چاند کو دیکھا تو دو ٹکڑے کر کے بتایا کہ یہ خدا نہیں ہے۔

* ستارے کو دیکھا' اُسے اپنے پاس بلا کر بتایا کہ یہ خدا نہیں ہے۔
* سورج کو دیکھا تو مغرب سے پلٹا کے دکھایا کہ یہ خدا نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ جو ہمارے اشارے پر چلیں' وہ ہمارے غلام ہیں نہ کہ خدا ہیں (نعرۂ حیدری)۔

حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا' اس کے باوجود بھی ان کی قوم بت پرستی میں مبتلا رہی اور بت بنانے والے انھی کے چچا آذر۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو بھی ختم کیا جائے اور ان کو بھی سبق سکھایا جائے۔ ایک روز پوری قوم گئی' میلے میں شہر سے باہر۔ پورا شہر خالی ہو گیا اور ویران ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے طبیعت کی خرابی بتائی بہرحال جو بھی ہوا آپؑ وہاں نہیں گئے۔ آپؑ چلے گئے بت خانے میں اور تیشہ جس سے پتھر کاٹا جاتا ہے' یہ لوہے کا ایک اوزار ہوتا ہے' اسے پتھر پر مارتے ہیں تو پتھر ٹوٹ جاتا ہے' اس کو تیشہ کہتے ہیں۔ وہ تیشہ لیا ہاتھ میں اور جتنے بت تھے' سب توڑ ڈالے اور وہ جو بیچ میں سب سے بڑا بت بیٹھا ہوا تھا' اس کے گلے میں تیشہ لٹکا دیا۔ پھر آپؑ اپنے گھر چلے آئے۔

جب قوم والے واپس آئے اور دیکھا کہ سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں تو بڑے پریشان ہوئے اور کہنے لگے: یہ کیا؟ یہ کیا؟ یہ کیا؟ کس نے کیا؟ کس نے کیا؟ کس نے توڑ ڈالے؟ کس نے توڑ ڈالے؟

لوگوں نے کہا: ایک ہی جوان ہے جو ان کی پرستش نہیں کرتا اور پوجا نہیں

کرتا وہ ان کا مخالف ہے، اس کا نام ابراہیمؑ ہے، اسی کو بلاؤ۔ یہ اسی کی حرکت لگتی ہے اور کسی کی نہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ بلائے گئے اور انھوں نے آپؑ سے کہا: دیکھو! یہ کیا کیا ہے؟ اور یہ کس نے کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے کیا معلوم کس نے کیا ہے؟

انھوں نے کہا: کس نے توڑے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں کیا جانوں؟

انھوں نے کہا: نہیں! تمھیں بتانا پڑے گا کہ یہ کس نے توڑے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میرے خیال سے یہ جو بڑا بت بیٹھا ہوا ہے، اس نے توڑے ہیں، اس لیے اس کے گلے میں تیشہ بھی لٹک رہا ہے۔ کسی بات پر اس کو غصہ آ گیا ہوگا تو اس نے توڑ ڈالے ہیں۔

بس آپؑ نے جیسے ہی یہ کہا تو سارا مجمع چیخ اُٹھا اور کہا: بس تم ہی ہو۔ بس! بس! بس! معلوم ہو گیا کہ تم ہی ہو۔ یہ کیا توڑے گا، یہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی سکتا جو توڑے گا۔ بس! یہی کہلوانا تھا حضرت ابراہیمؑ نے اُن لوگوں سے کہ یہ ہل بھی سکتا ہے اپنی جگہ سے جو توڑے گا۔

آپؑ نے فرمایا: جو کچھ کر ہی نہیں سکتا تم اس کے آگے سجدہ کیا کرتے ہو؟

یہ حضرت ابراہیمؑ دلیل دے رہے ہیں، لیکن مزاج باطل کو سمجھ لیجیے کہ باطل کبھی دلیل کے اُوپر **believe** نہیں کرتا بلکہ ظلم پر **believe** کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ انھیں دلیل دے رہے ہیں اور جواب بھی دلیل ہونا چاہیے تھا لیکن انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی اور کہا: تمھیں سزا دیں گے' گرفتار کر لو اسے اور آپؑ گرفتار ہو گئے۔

اب کمیٹی بیٹھی کہ کیا کیا جائے؟ ان کے لیے پہلا رٹا پٹا جملہ کہ قتل کر دو۔ لوگوں نے کہا: یہ جرم اتنا بڑا ہے کہ قتل ہونے سے تسکین نہیں ہو گی' سزا اس سے سخت ہونی چاہیے۔

کہا: بھئی! اس سے زیادہ سخت سزا اور کیا ہو گی؟

کہا: اس سے زیادہ سخت سزا یہ ہے کہ ان کو زندہ جلا دیا جائے اور ان کو زندہ جلا دو۔

یہ بات طے ہو گئی کہ ابراہیمؑ کو زندہ جلایا جائے گا۔ کس جرم میں؟ انھوں نے ہمارے خداؤں کی insult کی ہے۔ اس لیے یہ جلائے جائیں گے۔ یہ سمجھ لیجئے' جرم سمجھ لیجیے اور سزا بھی سمجھ لیجیے۔ جرم یہ ہے کہ خداؤں کی insult کی ہے۔ سزا یہ ہے کہ جلائے جائیں گے۔ یہ کس نے تجویز کیا؟ حضرت ابراہیمؑ کی اُمت کے اس زمانے میں جو لوگ تھے اُنھوں نے یہ تجویز کیا کہ ابراہیمؑ کا جرم یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے خداؤں کی توہین کی ہے۔ سزا یہ معین ہوئی کہ جلائے جائیں گے!

اب اگر اللہ کفار و مشرکین کو جہنم میں پھینک دے تو یہ اللہ کی دی ہوئی سزا نہیں ہے بلکہ تم نے خود ہی تجویز کیا ہے' یہ تمھاری دی ہوئی سزا ہے بھیا اللہ کی دی ہوئی نہیں ہے۔

لیجیے جناب!

تیار ہونے لگا جہنم' منتیں مانی جانے لگیں کہ ہم ایک کوئنٹل لکڑی ڈالیں گے اور ہم دو کوئنٹل لکڑی ڈالیں گے۔ ہم اس کام میں اتنا حصّہ ڈالیں گے' ہم اتنا ڈالیں گے۔ پھر ایک میدان میں لکڑیاں جمع ہونا شروع ہوئیں۔

تاریخ کہتی ہے کہ ایک بڑھیا تھی' غریب مفلس' محتاج' بھوکی پیاسی' کچھ کھانا پینا نہیں تھا اس کے پاس لیکن کافر بہت پکی اور حضرت ابراہیمؑ کی بڑی دشمن تھی۔ کچھ تھا نہیں اس کے پاس' جو وہ لکڑی وغیرہ لے جاتی' کل بساط جو تھی وہ ایک چرخہ تھا' جس پر بیٹھ کر وہ دھاگہ وغیرہ کاتتی تھی۔ وہ چرخہ لکڑی کا بنا ہوا تھا' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے اپنی روئی کا ٹھیکرا اُتارا اور چرخ کو توڑا پھر جا کر اپنا حصّہ ڈال آئی کہ ایک ہی شعلہ نقصان پہنچادے اس جوان کو میرے چرخے کا۔

جہنم میں آگ دہک گئی' جہنم بن کر تیار ہو گیا اور شعلے اُٹھنے لگے۔ آگ جب بھڑک جاتی ہے تو پہچانتی نہیں کہ کس نے بھڑکائی ہے؟ یہ نہیں ہے کہ جس نے بھڑکائی ہے اس کو نہ جلائے اور جس نے نہیں بھڑکائی اس کو جلائے۔

اب جب آگ بھڑکنے لگی تو دور دور تک اس کی گرمی پیدا ہوئی کہ کوئی اس کے قریب نہ جا سکتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے کیسے جائیں؟ اس کے اندر کون لے جا کر ڈالے؟ اس کی تو گرمی اتنی زیادہ ہے کہ وہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا تو اس وقت مدد کے لیے شیطان آیا کہ شیطان کی بھی خدمات کم نہیں ہیں۔ ہاں! ایسے موقعوں پر شیطان ہمیشہ اپنی خدمتیں پیش کرتا ہے

اور free offer کرتا ہے۔ شیطان آیا تو اس نے منجنیق بنانا سکھایا اور کہا کہ اسے چکر دو اور چکر دے کر پھینکو گے تو وہ آگ میں جا کر گریں گے۔

جب وہ منجنیق بن کر تیار ہو گئی تو اس میں ایک پتھر رکھا گیا جو ابراہیمؑ کے وزن کے برابر تھا۔ پتھر بیچ و بیچ آگ میں جا کر گرا تو وہ کہنے لگے کہ بس! بس! ٹھیک ہے' ایسے ہی ابراہیمؑ بھی جائیں گے۔ آپؑ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں' اب دیکھیے کب خلیل بنتا ہے؟ ایسے ہی نہیں کہ زبانی بات چیت میں ہم ابراہیمؑ ہو جائیں۔

ہم ابراہیمؑ نہیں ہو پائیں گے۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ گٹھڑی بنا کر ڈالا گیا آپؑ کو منجنیق میں۔ منجنیق نے چکر کھانا شروع کیے۔ انسانوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے' تماشا دیکھنے کے لیے۔ انسان تو انسان' فرشتوں میں بھی اِضطراب پیدا ہوا۔ ملائکہ نے عرض کیا: معبُود! ساری دنیا میں تیرا ایک عبادت گزار ہے' وہ بھی جل جائے گا۔ جبرئیلؑ فرشتوں کے نمائندے تھے۔ جبرئیلؑ نے جب اللہ کے سامنے ملائکہ کی بے چینی کا اِظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبرئیلؑ! کیا چاہتے ہو؟ کیا مدد کرنا چاہتے ہو؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: جیسا تُو کہے معبُود۔

فرمایا: ٹھیک ہے۔

فرمایا: میں منع نہیں کرتا اگر مدد کرنا چاہتے ہو تو جاؤ مدد کرو۔

جبرئیلؑ permission لے کر with in no time آئے حضرت

ابراہیمؑ کے پاس۔ آپؑ منجنیق میں چکر کھا رہے ہیں۔ سامنے موت ہے اور جبرئیلؑ ملاقات کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: اے نبی خدا! کوئی حاجت ہے کیوں کہ دفاعِ نبوت میں ایسے موقع پر بھی کام کرتا رہا ہوں (صلواۃ)۔

آپؑ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: کوئی حاجت؟

خدا کی قسم! بہت ٹیڑھا سوال کر دیا۔ yes بھی غلط جواب اور no بھی غلط جواب۔ اگر yes کہہ دیں تو فیل ہو گئے۔ خلیلؑ خدا کے ہیں اور حاجت جبرئیلؑ سے۔ اللہ کے دوست ہیں اور حاجت چاہ رہے ہیں جبرئیلؑ سے۔ جبرئیلؑ جانتے ہیں کہ یہ ابراہیمؑ ہیں علیؑ نہیں ہیں۔

کہا: اگر yes کہہ دیں تو گئے کہ ہمارے ہوتے ہوئے دوسرے سے حاجت مانگی اور اگر اس کے جواب میں کہہ دیں no کہ کوئی حاجت نہیں تو تب بھی ذہن میں یہ بات ہو گی کہ اچھا اتنے بڑے ہو گئے کہ کوئی حاجت ہی نہیں۔ یہ تو آپ میں ہماری والی شان پیدا ہو گئی۔ یہ تو ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم کہیں ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے، بندے کو تو زیب نہیں دیتا کہ وہ کہے کہ اسے کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔

اب حضرت ابراہیمؑ نکل چکے ہیں منجنیق سے۔ ابھی آپؑ آگ میں پہنچے نہیں ہیں۔ اسے ہم seconds میں بھی calculate نہیں کر پائیں گے اور seconds کو بھی divide کرنا پڑے گا۔ سبحان اللہ! خلیل خدا جب ایسا ہو تو

پھر خلیل خدا بنتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: تم سے نہیں۔ کیا جواب ہے خدا کی قسم! کہا کہ تم سے نہیں۔ نہ ہاں اور نہ ہی انکار کیا بلکہ کہا کہ تم سے نہیں۔ بس! جیسے ہی کہا کہ تم سے نہیں تو ویسے ہی جو حاجت روا تھا' اس کی آواز آئی:

یٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (سورۃ انبیاء: آیت ۶۹)

"اے آگ! تو ابراہیمؑ پر بالکل ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث ہو جا"۔

اتنے میں ایک بادل آیا اور یہ دہکتا ہوا جہنم ٹھنڈا ہو گیا۔ ابراہیمؑ کا جب سامنا ہوا ان شعلوں سے تو وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ انگارے تھے مگر ٹھنڈے تھے' شعلے شعلے تھے مگر ٹھنڈے تھے اور کتنے ٹھنڈے تھے یہ تو بعد میں معلوم ہوا۔ پہلے والے آدمیوں کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ درجہ حرارت منفی میں بھی چلا جاتا ہے۔ اگر منفی C-20، C-30، C-40 درجہ حرارت میں کسی آدمی کو ڈال دیا جائے تو کیا ہوگا۔ ایک second میں جم جائے اور دماغ کا لہو سب ختم ہو جائے گا۔ اگر جل کر نہ مرا تو جم کر ضرور مر جائے گا۔ دو شکلیں ہیں مرنے کی۔ دونوں ہی صورتیں ہیں جل کر نہ مرا' جم کر مر گیا۔ اب سمجھ میں آیا ہے قرآن کریم کی بلاغت کا یہ جملہ کہ

وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (سورۃ انبیاء: آیت ۶۹)

"اتنی ٹھنڈی ہو جا کہ ابراہیمؑ کی سلامتی رہے کہیں منفی میں نہ

چلی جاتا"۔

پس! نہ جسم جلا اور نہ ہی کپڑے جلے۔ نہ ایک رویاں جلا اور نہ ہی ایک دھاگہ جلا لباس کا۔ سارے مجمعے نے دیکھا اور دیکھ کر محوِ حیرت رہا۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ جو کافر تھے' وہ کافر ہی رہے۔

بس عزیزانِ گرامی!

یہ واقعی اسلامی تاریخ کا قرآنی واقعہ ہے۔ یہ تاریخ نہیں ہے کہ معتبر ہے یا غیر معتبر ہے۔ یہ روایت بھی نہیں ہے کہ روایت صحیح یا قبیح ہے۔ قرآن میں لکھا ہوا ہے' پورا قصہ اور جو کچھ بھی فرما رہا ہے' قرآن فرما رہا ہے۔

نمرود نے بھی دیکھا حضرت ابراہیمؑ کو خیریت سے نکلتے ہوئے آگ سے اور نمرودیوں نے بھی دیکھا۔ اس کے باوجود یہ نہ ہوا کہ جب حضرت ابراہیمؑ سلامتی کے ساتھ آگ سے نکلے تو لوگ آپؑ کے ہاتھوں پر جلدی جلدی بیعت کرنے لگیں' مسلمان ہو جائیں اور ہاتھ چومنے لگیں اور کندھے پر اُٹھا لیں۔ بھئی! آئیں آپ تو ہمارے رہبر ہیں۔ معجزے دیکھے مگر جہاں کھڑے تھے' وہیں پر کھڑے رہے اور بدلے نہیں۔ اب جو لوگ اکثر کہتے ہیں کہ اگر رسولؐ خدا نے اعلان کر دیا ہوتا تو کیا لوگ ایسے گئے گزرے تھے کہ نہ مانتے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیمؑ بچ گئے ہیں تو کیا اُمت ایسی گئی گزری تھی کہ نہ مانتی۔

عزیزانِ گرامی!

یہ حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے قرآنِ مجید میں۔ جب آپؑ ایسے تھے تو اللہ

نے آپ کا انتخاب کیا:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

"اللہ نے چن لیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو"۔

وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ

"اور ابراہیمؑ کی آل کو اور عمرانؑ کی آل کو تمام عالم میں"۔

عزیزانِ گرامی!

میں ہمیشہ ۲۹ ذوالحجہ سے مجلسیں شروع کر دیتا ہوں۔ محرم کا چاند تو نمودار نہیں ہوا اور آج چاند رات بھی نہیں ہے بلکہ آج انتیسویں ذوالحجہ ہے۔ مگر ہماری یہ مجلس اب اس کے پہلے عزا میں شمار ہو گی اور کل پھر مجالس چاند رات کے سلسلے میں شروع ہو جائیں گی، جب کہ محرم کی پہلی رات کل رات ہو گی۔ اب مجلسیں شروع ہو جائیں گی۔ لیکن میں ہمیشہ اس لیے پہلے شروع کر دیتا ہوں کہ اگر چاند کی اطلاع آنے میں تاخیر ہو اور بعد میں کوئی ایسی situation پیدا ہو کہ تاریخ بدل جائے تو پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پاس ایک مجلس کم ہو جائے۔ یہ ہمارا رواج رہا ہے۔

اس سال کے عشرۂ مبارک میں مجھے یہ آپ کے سامنے عرض کرنا ہے کہ میں ہمیشہ پہلی مجلس اور دوسری مجلس میں اپنے introduction کا subject دیتا ہوں کہ اس سال میں کون سا subject پڑھوں گا۔ اس لیے اس سال میرا عنوان ہے: "آلِ رسولؐ"۔

یہ عشرہ اگر میری زندگی رہی اور مجھ سے پڑھا گیا تو اس عشرے میں میرا

عنوان رہے گا آلِ رسولؐ۔ اس لیے کہ قرآن نے جہاں رسولوں کے انتخاب کا ذکر کیا ہے' وہیں پر آلِ رسولؐ کے انتخاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس کا سرنامہ اس عنوان پر دیا ہے' اس کے اندر صاف لفظوں میں کہا گیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

"یقیناً اللہ نے آدمؑ کو چن لیا اور نوحؑ کو چن لیا اور ابراہیمؑ کی آل کو چن لیا اور عمرانؑ کی آل کو چن لیا' تمام عالمین پر"۔

معلوم ہوا کہ جو خدا' رسولؐ چنتا ہے' وہی خدا آلِ رسولؐ بھی چنتا ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (سورۂ حدید: آیت ۲۶)

"اور ہم نے نوحؑ کو بھیجا اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور اُن کی ذریت میں یعنی ان کی نسل میں یعنی ان کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب کو رکھا"۔

معلوم ہوا کہ نسلِ نبیؑ میں نبوت بھی چلتی ہے' نسلِ نبیؑ میں کتاب بھی چلتی ہے اور نسلِ نبیؑ میں انتخاب بھی ہوتا ہے تو یہ کون سا انصاف ہے کہ جب اسلامیات کا تذکرہ ہو تو پیغمبروں کا تذکرہ تو ہو مگر آلِ پیغمبرؐ کا تذکرہ نہ ہو؟ اگر

آلِ ابراہیمؑ، آلِ نوحؑ اور آلِ عمرانؑ اس قابل ہے کہ منزلِ انتخابِ پروردگار میں آسکیں؟ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ سرکارِ محمدؐ نے کون سا قصور کیا ہے جو آلِ محمدؐ انتخابِ پروردگار کی منزل میں نہ آسکیں؟

مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اس عشرے میں، وہ آلِ رسولؐ کے متعلق عرض کرنا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

آلِ رسولؐ نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اور آلِ رسولؐ نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ کارنامہ اور خدمات تاریخ آلِ معاظم میں کسی نے اس سے پہلے انجام نہیں دیں۔ حضرت نوحؑ کی ذُریت منتخب ہوئی اور ظاہر ہے کہ اللہ نے منتخب کی تھی تو اُنھوں نے یہ خدمات انجام دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ذُریت بھی منتخب ہوئی اور اللہ نے منتخب کیا ہے تو اُنھوں نے بھی خدمات انجام دیں۔ حضرت عمرانؑ کی آل بھی منتخب ہوئی اور اللہ نے منتخب کیا ہے تو آلِ عمرانؑ نے بھی خدمات انجام دیں۔ ہمیں کسی کی عظمت سے انکار نہیں، ہمیں کسی کی جلالت سے انکار نہیں، ہمیں کسی کی شان سے انکار نہیں، مگر۔

میرے دوستو!

ایک بات میں آپ کی خدمات میں عرض کردوں اور وہ یہ ہے کہ آلِ محمدؐ نے جو خدمات انجام دی ہیں، اُس کی تاریخ جتنی درخشاں و تابندہ ہے، اتنی روشن ہے اور جتنی اہم ہے، وہ تاریخ ہمیں کہیں اور نہیں ملتی، اس لیے کہ ہر نبیؑ کی اولاد نے نبیؑ کے بعد دین کی خدمت کی ہوگی۔ یہ بات قرآن کہہ رہا ہے اس لیے ہمیں

اس کے ماننے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور جو ہم نے دیکھا ہے اس دیکھے ہوئے سے انکار نہیں ہو سکتا' وہ آلِ رسولؐ کی خدمات ہیں۔ آلِ رسولؐ نے جو خدمات انجام دی ہیں' وہ بھلائی نہیں جا سکتیں اور یہ محرم جو ہے آلِ رسولؐ کی خدمات کا شاہکار ہے۔

آج سے چودہ سو برس پہلے جو واقعہ ہوا تھا۔ رسولِ خدا کا وہ نواسہؑ جو آج سے چودہ سو برس پہلے بہتر (۷۲) افراد کا قافلہ لے کر نکلا تھا اگر لڑنے کے لیے نکل رہا ہوتا؟ اگر طلبِ حکومت میں نکل رہا ہوتا؟ اگر اقتدار لینے کے لیے نکل رہا ہوتا تو اُس کے ساتھ بہتر (۷۲) نہ ہوتے بلکہ اُس کے ساتھ بہتر (۷۲) ہزار کا لشکر ہوتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ امام حسینؑ سے پہلے بھی لوگوں نے لشکر جمع کیے۔ حضرت علیؑ کے مقابلے میں لشکر جمع ہو گئے اور تو اور امام حسینؑ کے بعد بھی لشکر جمع کیے گئے' اس کی بھی تاریخ گواہ ہے۔

کیا امام حسینؑ کی جماعت کے لیے لشکر جمع نہ ہوتا؟ کیا امام حسینؑ کی جماعت کے لیے پچاس ساٹھ ہزار' ایک لاکھ' تیس ہزار' آدمی جمع نہ ہوتے؟ بھول جائیے اس بات کو امام حسینؑ کی ایک آواز پر لاکھوں جمع ہو جاتے' مگر امام حسینؑ لڑائی نہیں لڑنا چاہتے تھے اور ایک ایسا کارنامہ یادگار چھوڑنا چاہتے تھے کہ جو صبح قیامت تک انسانی دلوں کو گرماتا رہے اور اُن کی یاد تازہ کرتا رہے۔ اگر امامِ عالی مقامؑ بہتر (۷۲) ہزار کا لشکر لے کر کربلا میں آتے اور اپنے دشمن کے ٹکڑے اُڑا کر چلے جاتے تو تاریخ میں امام حسینؑ کی بہادری کے واقعات تو درج ہوتے'

لیکن وہ صرف تاریخ کا ورق بن چکے ہوتے۔ چودہ سو سال کے بعد آج ان کا کوئی تذکرہ ہوتا نہ ان کی کوئی یادگار رہتی' نہ آج ان پر کوئی رونے والا ہوتا اور نہ ہی آج کوئی ان کی یاد منانے والا ہوتا۔

یہ جو مجمع ہے' یہ جو لوگ ہیں اور یہ جو آج شمع جلتے ہی اتنے پروانے جمع ہو گئے کہ ہال بھر گیا' یہ اسی مظلومیت کا اثر ہے جس مظلومیت میں بہتر (۷۲) نے جان دی۔ یہ اسی سلیقہ شہادت کا اثر ہے' جس کی قیادت حسینؑ ابن علیؑ کر رہے تھے۔

عزیزانِ گرامی!

محرم کو سمجھیے کیا ہے محرم۔ ہر سال آتا ہے انسانیت کا پیغام لے کر' محرم ہر سال آتا ہے اخلاق کا پیغام لے کر' محرم ہر سال آتا ہے امن کا پیغام لے کر' محرم ہر سال آتا ہے اتحاد کا پیغام لے کر۔ میں اپنے نوجوانوں کو خاص طور سے مخاطب کروں گا اور اپنے جوانوں سے خاص طور سے کہوں گا کہ محرم کا زمانہ صبر کا زمانہ ہے' ضبط کا زمانہ ہے' tolerance کا زمانہ ہے اور حضرت امام حسینؑ کی قربانی کو یاد کر کے آنسو بہانے کا زمانہ ہے۔ محرم کا زمان جھگڑے کا زمانہ نہیں ہے' محرم کا زمانہ فساد کا زمانہ نہیں ہے' محرم کا زمانہ اختلافات کو ہوا دینے کا زمانہ نہیں ہے' محرم کا زمانہ ذاتی جھگڑوں کو اُجاگر کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ محرم ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے اور اس مقدس مذہبی فریضے کو اسی انداز سے ادا کیا جائے جس انداز سے مقدس حج ہوتا ہے' جس انداز سے مقدس زیارت ہوتی ہے' جس انداز سے مقدس رمضان مبارک گزارا جاتا ہے اور جس انداز سے مقدس نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسی انداز

سے مقدس محرم بھی منایا جائے اور محرم کے منانے میں بھی کسی طرح کی کوئی بدعنوانی نہیں ہونی چاہیے۔ اکثر و بیشتر میں یہاں محسوس کرتا ہوں کہ بعض نوجوان جذبات میں آ کر ایسے نعرے لگاتے ہیں جو دل آزار ہوتے ہیں۔ دوسروں کی دل آزاری کرنا مذہب نہیں ہے، کسی کا دل دکھانا مذہب نہیں ہے۔ رسولؐ اللہ نے جو ہدایت کی ہے وہ دل آزاری کر کے ہدایت نہیں کی ہے۔ قرآن میں جو رسولؐ اللہ کو جو instructions دی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

''اللہ کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ، دانش مندی کے ساتھ، tactfully اور موعظہ حسنٰی کے ذریعے سے'' (سورۂ نحل: آیت ۱۲۵)۔

یہ رسولؐ اللہ کی تعلیم ہے اور یہ اللہ نے رسولؐ سے فرمایا ہے۔ چنانچہ رسولؐ خدا کی جو سب سے بڑی صفت موجود ہے اس وقت تاریخ کے اندر، جس بنیاد پر آپؐ کا نام آج تک اس دنیا میں روشن ہے وہ یہ ہے کہ ساری خوبیوں کے باوجود اور ساری اچھائیوں کے باوجود ہمارے سرکارؐ صاحب خلق عظیم تھے۔

دیکھیے! خلق عظیم کا مطلب سمجھیے کیا ہے؟ عظیم اخلاق کے مالک۔ رسولؐ اللہ کے اخلاق نے ابوجہل کو زیر کر دیا۔ رسولؐ کے اخلاق نے ابولہب کو زیر کر دیا۔ رسولؐ کے اخلاق نے کفار قریش کو زیر کر دیا۔ ہم کیسے رسولؐ کے ماننے والے ہیں کہ اپنی بداخلاقی سے آپس ہی کے اندر فساد کے بیج بو رہے ہیں۔

میں آپ سے بڑی دردمندی کے ساتھ گزارش کروں گا کہ نوجوانوں کو جلسوں، جلوسوں اور مجلسوں میں اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنا چاہیے۔ یہ مجلس عزا جو ہے، یہ کسی ایک آدمی کی ملکیت نہیں ہے اور یہ کسی ایک فرقے کی ملکیت نہیں ہے۔ مثل مسجد کی مجلس ہو، یا کہیں اور کی مجلس ہو، ہر فرقے کے لوگ، ہر عقیدے کے لوگ ان میں شریک ہوتے ہیں۔ مجلس کو اس احترام سے ادا ہونا چاہیے کہ ہر کسی کے لیے قابلِ قبول ہو اور ہر ایک کے لیے اس میں گنجائش موجود ہو تا کہ وہ بھی کچھ لے کر جائے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی آئے تو بگڑ کر جائے، کوئی آئے تو رُوٹھ کر جائے، کوئی آئے تو اپنی دل آزاری محسوس کر کے جائے، کوئی آئے تو اپنی توہین محسوس کر کے جائے۔

ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ کچھ طاقتیں ایسی ہیں جو ہماری عزاداری کی دشمن ہیں اور مختلف ترکیبیں عزاداری کو زیر کرنے کی ہو رہی ہیں اور مختلف تجویزیں عزاداری کو پامال کرنے کی ہو رہی ہیں۔ اتنا اشتعال پیدا کر دو فرقوں کے درمیان کہ عزاداری نہ ہو پائے۔

کیوں صاحب! وہ کہہ رہے ہیں ہم کیوں نہ کہیں؟ ارے! وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی عزاداری بند ہو جائے۔ کیا آپ اُن کو cooperate کریں گے یا اپنی عزاداری کو cooperate کریں گے۔ اگر اُن کو cooperate کرتا ہے تو بولیے، اگر عزاداری کو cooperate کرتا ہے تو

چپ رہیے۔ اپنے اخلاق کا مظاہرہ کریں اور اپنی تہذیب کا مظاہرہ کریں۔ عزاداری جذبات کا نام نہیں ہے' عزاداری غصّے میں بے قابو ہو کر جھگڑنے کا نام نہیں ہے۔

جب لشکر امامؑ کربلا میں پہنچا ہے تو اُس وقت دشمن کا کربلا میں کوئی لشکر موجود نہیں تھا۔ حضرت عباسؑ نے دریا کنارے خیمے نصب کر دیے۔ جب لشکر یزید آیا تو اُس نے کہا: یہاں سے خیمے ہٹا لیجیے' یہاں ہم اپنے خیمے لگائیں گے۔ یہ issue اتنا بڑا تھا کہ اس پر یہیں تلوار چل جاتی کہ جب ہم نے خیمے پہلے سے آ کر لگا دیے ہیں تو تم ہمارے خیمے ہٹانے والے کون ہو؟ مگر حضرت امام حسینؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ پانی کے issue پر تلوار چلے۔ وہ چاہتے تھے کہ تلوار حق و باطل کے issue پر چلے۔

اگر اسی وقت تلوار چل جاتی تو لوگ کہتے کہ وہ تو آپس میں فوجیوں میں جھگڑا ہو گیا تھا وہ اُن کے بھائی نے خیمے لگا دیے تھے۔ وہ بھی غصّے والے تھے' فوجیں بھی آئیں تو وہ بھی نہیں سمجھیں اس لیے تلوار چل گئی اور اسی میں یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا اور وہ ہو گیا۔ اس کا قتل ہو گیا اور اس کا یہ ہو گیا۔ پورا معاملہ جو تھا' وہ پانی کے ضمن میں چلا جاتا۔

حضرت عباس علیہ السلام جیسے بہادر جن کی نظروں میں فوج کچھ بھی نہیں تھی' لیکن اطاعتِ امامؑ کی جو تصویر اُنھوں نے پیش کی' وہ قیامت تک یادگار رہے گی۔ امامؑ

نے فرمایا: بھیا! خیمے ہٹا لو۔ یہ خیمے ہٹانے کا واقعہ صبح قیامت تک ہر نوجوان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں sentimental نہیں ہونا چاہیے' ہمیں آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں......

عزیزانِ گرامی!

کوئی طاقت ہے ہمارے پیچھے جو تخریبی طاقت ہے' destructive طاقت ہے۔ یہ destructive طاقت جو ہے یہ مسلسل گڑبڑ کر رہی ہے۔ ایک طرف کچھ لوگوں کو اس بنیاد پر اُونچا کر رہی ہے کہ تم عزاداری کے خلاف بولو۔ یہ مجلس کچھ نہیں' یہ ماتم کچھ نہیں' یہ رونا کام نہیں آئے گا' یہ سینہ زنی کام نہیں آئے گی' یہ کام نہیں آئے گا وہ کام نہیں آئے گا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں' اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ نوجوان مشتعل ہوں۔

دوسری طرف نوجوان مشتعل ہو کر ایسی تقریریں کرنے لگتے ہیں اور ایسے نعرے لگانے لگتے ہیں کہ وہ بھی مناسب نہیں ہے۔ ان دونوں کو لڑانے والی کوئی ایک طاقت ہے جو یہ چاہتی ہے کہ یہ آپس میں ٹکرا جائیں اور عزاداری بند ہو جائے۔

یہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟ یہ کس لائن پر ہماری قوم جا رہی ہے؟ یہ کون سی خطابت ہو رہی ہے؟ یہ کون سے جلوس اُٹھ رہے ہیں؟ جو بزرگوں نے طریقہ قائم کیا ہے' جو اسلام نے طریقہ قائم کیا ہے' اس پر رہیے۔ حد سے زیادہ مولائی بننے کی کوشش نہ کریں۔

میر انیسؒ بھی کوئی غیر نہیں تھے' مرزا دبیرؒ بھی کوئی غیر نہیں تھے' اُنھوں نے ایسے مرثیے کہے' جن میں دشمنانِ حسینؑ کی برائی بھی تھی' مگر اس طریقے سے کہے کہ آج ہر مسلمان پڑھتا ہے' ہر قوم کا فرد پڑھتا ہے اور تعریف کرتا ہے۔ میر انیسؒ اور مرزا دبیرؒ نے کیا شمر کی تعریف کی ہے؟ کیا یزید کو اچھا کہا ہے؟ کیا قاتلانِ حسینؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ چھوڑا ہے؟ کیا اہل بیتؑ کے دشمنوں کے لیے کچھ کم کیا ہے؟ لیکن بات کرنے کا سلیقہ چاہیے۔ آپ بات سلیقے سے کیجیے' بدسلیقے سے بات مت کیجیے۔ بزرگوں نے جو لائنیں بنا دی ہیں' ان لائنوں سے مت ہٹیے۔ اسی کو بدعت کہا گیا ہے اور اسی بدعت سے منع کیا گیا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ شکوے آتے ہیں' شکایتیں آتی ہیں۔ یہ ہو رہا ہے' وہ ہو رہا ہے۔ وہاں ایسے نعرے لگا دیے گئے' وہاں ویسے نعرے لگا دیے گئے۔ نوجوان کیوں قابو میں نہیں آتے ہیں۔ صاحب! کون ان کو اُکساتا ہے؟ منع کیجیے ہائے! کیسی بات کرتے ہیں آپ؟ کیسے مومن ہیں آپ؟ کیسے شیعہ ہیں آپ؟

آپ کیسے شیعہ ہیں جو شیعیتؑ کے پیٹ میں خنجر گھونپ رہے ہیں؟ آپ کو نہ اپنی طاقت معلوم ہے' نہ اپنی قوت معلوم ہے' نہ اپنی حیثیت معلوم ہے اور نہ ہی اپنی تعداد معلوم ہے۔ آپ آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔ کون سی بات ہے؟ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ عزاداری کچھ نہیں ہے' ماتم کچھ نہیں' یہ کچھ نہیں ہے اور وہ کچھ نہیں ہے۔

ارے واہ! آپ دو لفظ پڑھ کر کیا آ گئے کہ آپ تو محرم کے دشمن ہوتے جا رہے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے غور کرو' گیارہ سو مدرسے ہمارے علمائے دین چلا رہے ہیں۔ اپنی پوری پوری زندگیاں خرچ کر دی ہیں' اپنی جانیں دے دی ہیں' اپنی ہستیاں فنا کر دی ہیں اور ہمارے مومن کھڑے اُن کو گالیاں دے رہے ہیں۔ تحفۃ العوام قاعدے سے پڑھی نہیں اور ان علما کو جن کی اتنی موٹی موٹی کتابیں تاریخ میں موجود ہیں' اُن کو گالیاں دینے کے لیے تیار ہیں۔ یہ کون سی لیاقت ہے' یہ کون سی مولائیت ہے' یہ کون سی حسینیت ہے اور یہ کون سی ولائے اہلِ بیتؑ ہے؟ کیا ولائے اہلِ بیتؑ کے یہی معنی ہیں؟ کیا ولائے علیؑ کا یہی تقاضا ہے کہ ولائے علیؑ کے خادم ہو کر گالیاں دیتے رہیں؟ واہ! کیا مولائی ہیں؟ بھیا! ہم تو مولائی ہیں' کوئی نیا فرقہ بن آیا ہے مولائی کا؟

عزیزانِ گرامی!

میں وارننگ دے رہا ہوں' ہوشیار کر رہا ہوں' چلتے چلتے آپ سے کہے جا رہا ہوں کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ محرم امن وامان کا مہینہ ہے' بھائی چارے کا مہینہ ہے۔ محرم ایک دوسرے کو قریب لانے کا مہینہ ہے' محرم ایک دوسرے سے پیار ومحبت سے بات کرنے کا مہینہ ہے۔ محرم نفرت پھیلانے کا مہینہ نہیں ہے' محرم فساد پھیلانے کا مہینہ نہیں ہے۔ محرم میں نبیؐ کے نواسےؑ کی عظیم قربانی سامنے رکھیے اور اس کے بعد اس کو بڑے عقیدت واحترام کے ساتھ سر جھکا کر منایئے۔

ذِکرِ مصائب: اِستقبالِ محرم

اس لیے کہ یہ اس بے کس کی یاد ہے' جس کا بیٹا اُس کا ماتم نہ کر سکا' جس کی بہنیں اُس کی عزاداری نہ کر سکیں۔ آج پہلی نہیں ہوئی مگر ہم کربلا کے شہیدوں کا استقبال کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ مولا علی اکبرؑ آیئے! ہم آپؑ کا استقبال کرتے ہیں۔ مولا عباسؑ آیئے! ہم آپؑ کا استقبال کرتے ہیں۔ مولا قاسمؑ آیئے! ہم آپؑ کا استقبال کرتے ہیں۔ مولا علی اکبرؑ آیئے! ہم آپؑ کا استقبال کرتے ہیں۔ ارے! سیدہؑ کی گود کے پالے! اے رسولؐ کی زبان چوسنے والے! اے سینۂ رسالتؐ پر سونے والے حسینؑ ابن علیؑ! یہ غلام آپؑ کے استقبال کے لیے بیٹھے ہیں۔

یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ الْحُسَیْن! ہمارے گھر میں تشریف لایئے اور ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر دیجیے۔

ہاں! عزیزانِ گرامی!

پھر محرم آ رہا ہے' پھر رونے کے دن آ رہے ہیں' پھر آنسو بہانے کے دن آ رہے ہیں۔ بقول مرزا دبیرؒ:

ہنسنے کے لیے تو سال پورا ہے یارو
دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

یہ اس لیے ہیں کہ ہم سیدہؑ کے لال پر آنسو بہائیں۔ اُن پر آنسو بہائیں

جن کی چادریں چھین گئیں۔اُن پر آنسو بہائیں جن کو تازیانے لگائے گئے۔اُن پر آنسو بہائیں جو تین دن کے بھوکے پیاسے شہید ہو گئے۔اُن پر آنسو بہائیں جو تیر کھا کر سو گیا۔کوئی سینے پر برچھی کھا کر سو گیا' کوئی شانے کٹوا کر سو گیا' کوئی گھوڑے کے ٹاپوں سے پامال ہو کر سو گیا اور کوئی خنجر شمر سے ذبح ہو کر سو گیا۔

یَا اَبَا عَبدِاللّٰہِ الحُسَین! یہ غلام آپؑ کے ماتم میں ہیں۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

عزیزانِ محترم!

خداوندِ عالم قرآنِ مجید میں اِرشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً! چن لیا اللہ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمرانؑ کو تمام عالم پر"۔

دو پیغمبروں کے انتخاب کا تذکرہ ہے اور دو آلوں کے انتخاب کا تذکرہ ہے۔ پیغمبروں میں حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کا تذکرہ ہے اور آل میں آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کا تذکرہ ہے۔

سلسلے وار میرا بیان آگے بڑھے گا اور میرے بیان کا عنوان ہے: آلِ رسولؐ۔ یہ ذہن میں رہے کہ اپنے وقت پر وہ بیان بھی ہوگا مگر آج تو اتنا کہ اللہ نے فرمایا:

"میں نے چن لیا اور select کر لیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور

ابراہیمؑ کی اولاد کو select کر لیا اور عمرانؑ کی اولاد کو

select کر لیا اور چن لیا"۔

آدمؑ پہلے انسان ہوں یا نہ ہوں' دنیا میں پہلے لوگ موجود تھے بعد میں آدمؑ آئے یا پہلے آدمؑ آئے' ان سارے اختلافات میں ہم پڑنے والے نہیں ہیں' لیکن بہرحال آدمؑ پہلے نبی نہیں تھے۔ یہ واضح رہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں حضرت آدمؑ کا نام تو پہلے لیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے رسول آدمؑ بنے' مگر آدمؑ بھی کسی کا کلمہ پڑھ کر نبی بنے (واہ، واہ، سبحان اللہ)۔

سرورِ کائناتؐ نے یہ ارشاد فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ

"میں (اُس وقت بھی) نبی تھا جب آدمؑ آب و گِل میں تھے"۔

یعنی آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ابھی آدمؑ کا پتلا نہیں بنا تھا اور اس زمانے میں بھی میں نبی تھا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں تھا اور آدمؑ نہیں تھے۔ میں تھا اور نبی تھا میں فرق ہے۔ سال بھر اگر ایک آدمی' ایک آدمی سے بڑا ہے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تھا اور یہ نہیں تھے' لیکن ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میں principal تھا اور یہ نہیں تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑا لمبا فرق ہے دونوں میں' اس لیے کہ سال بھر کی age میں آدمی principal نہیں بن جاتا۔ حضورؐ یہ نہیں کہتے کہ میں تھا اور آدمؑ نہیں تھے۔ نہیں! میں نبی تھا۔ یا حضورؐ! یہ تو فرمایئے کہ نبوت کب ملی ہے؟ یہ نبوت کب ملی؟ جو آپؐ نبی تھے۔ فرمایا: میں نبی تھا اور آدمؑ پانی اور مٹی کے بیچ میں

تھے یعنی آدمؑ کا پتلا بنا نہیں تھا اور میں نبی تھا تو آدمؑ میں اور حضورؐ میں بڑا فرق ہے۔ ہم جتنے بھی ہیں آدمؑ کی اولاد ہیں' جتنے یہاں بیٹھے ہیں' جتنے دنیا میں رہتے ہیں' جتنے سکولوں میں' شہروں میں' علاقوں میں اور دیہاتوں میں جہاں جہاں بھی نسل انسانی ہے' یہ سب آدمی ہیں' آدمی بہ معنی آدمؑ والے' آدمؑ کی اولاد۔ رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ میں نبی تھا اور آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔

اب ایک بات کا ہمیشہ خیال رکھیے گا اور زندگی بھر دماغ سے نکلنے نہ پائے کہ ہم ہیں آدمؑ کے بیٹے اور آدمؑ بنے نہیں تھے اور رسولؐ اللہ نبی تھے لہٰذا ہمارا اور رسولؐ کا کوئی comparison نہیں ہے۔ ہم تو ہم ہیں' آدمؑ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں محمدؐ جیسا ہوں۔ اس لیے کہ آدمؑ بنے نہیں تھے اور محمدؐ نبی تھے اور ایک نکتہ جو میں پڑھ چکا ہوں اُسے دُہرا دوں' اس لیے کہ یہ سبق بار بار دُہرائے جانے کے قابل ہے۔ ایک دفعہ کافی نہیں ہوتا پڑھ لینا کہ کبھی کبھی حسنؑ و حسینؑ کے مقابلے میں نہ آ جایئے گا ورنہ وہ رُسوائی ہو گی جو صبحِ قیامت تک یادگار رہ جائے گی (نعرۂ حیدری)۔

وہ رُسوائی ہو گی جو صبحِ قیامت تک یاد رہ جائے گی۔ اس لیے کہ ہم آدمؑ کے بیٹے ہیں اور وہ محمدؐ کے بیٹے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

سب سے پہلے جس کا نور خلق کیا گیا' جو سب سے پہلے بنایا گیا' دنیا عظمتِ رسولؐ کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ عظمتِ رسولؐ ہے کیا؟ رسولِؐ اسلام اِرشاد فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِی

"سب سے پہلے جو کائنات میں اللہ نے خلق کیا' وہ میرا نور تھا"۔

اب میرے پاس لفظ نہیں ہیں جو میں explain کروں کہ کائنات میں سناٹا تھا' غلط ہے کیوں کہ سناٹا مخلوق ہے۔ کائنات میں ویرانی برس رہی تھی' غلط ہے کیوں کہ ویرانی مخلوق ہے۔ کائنات میں اکیلا پن تھا' غلط ہے کیوں کہ اکیلا پن مخلوق ہے۔ دنیا خالی پڑی ہوئی تھی' یہ بھی غلط ہے کیوں کہ دنیا مخلوق ہے۔

اَوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی

یہاں پر آ کر عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے' لفظوں کا دم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور بیان کی طاقت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ جب کچھ نہ تھا اور یہ جب کچھ کا لفظ بھی ہماری مجبوری ہے کہ ہم اپنے مجمع کو سمجھائیں کیوں کر اور اپنے مجمع کو بتائیں کیوں کر کہ جب کچھ کا لفظ جو ہے یہ ہماری مجبوری میں شامل ہے' ورنہ جب کچھ کا لفظ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ اللہ ہی اللہ' بس! اللہ اِرشاد فرماتا ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا

یہ اِرشادِ ربانی ہے، حدیث قدسی ہے:

"میں چھپا ہوا خزانہ تھا' میری مشیت میں گزرا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات کو خلق کیا کہ دیکھوں' مجھے کون پہچانتا ہے؟"

سب سے پہلے جو چیز خلق کی گئی' وہ ایک نور تھا۔ نور خلق ہوا۔ کب خلق ہوا؟ معلوم نہیں' اس لیے کہ کب موجود نہیں تھا۔ کہاں خلق ہوا؟ معلوم نہیں' اس لیے کہ کہاں موجود نہیں تھا۔ کتنے دن میں خلق ہوا؟ معلوم نہیں' اس لیے کہ دن موجود نہیں تھے۔

اب ایک نور وجود میں آیا۔ اللہ کے علاوہ ایک اللہ اور ایک نور۔ اللہ نے اس نور کو بڑھایا۔ کتنے دن بڑھایا؟ اللہ جانے کتنا بڑھایا' اللہ جانے اتنا بڑھا دیا جتنی مخلوق کے ظرف میں گنجائش تھی۔ اتنا بڑھا دیا' اتنا بڑھا دیا اور اب اس کے بعد زمین بنی' آسمان بنا' ہوا بنی' فضائیں بنیں' ستارے بنے' چاند بنا' سب کچھ بنا' پوری کائنات بنائی گئی اور مکان پورا مکمل بن کر تیار ہو گیا۔

اس کے بعد فرشتے خلق کیے گئے تو جو فرشتے خلق کیے گئے اُن کی زبانی سنیے کہ کیا ہوا؟ جب وہ خلق ہوئے تو چوں کہ وہ مَلَک تھے اور بے خطا تھے' لہٰذا اس کا امکان نہ تھا کہ وہ کسی اور کو سجدہ کرتے۔ یہ نور سامنے جگمگا رہا تھا' رسولؐ خدا فرماتے ہیں: جب فرشتے خلق ہوئے تو ھَمُّوا وَ یَسجُدُوا ''اُنھوں نے ارادہ کیا کہ ہم کو سجدہ کریں''۔ خلق ہو کر جو اُنھوں نے نور کی چمک دمک دیکھی مخلوقِ نور کی' خالق کی نہیں۔ مخلوقِ نور کی چمک دیکھی تو ارادہ کیا کہ اس نور کو سجدہ کریں۔ فرمایا:

فَسَبَّحنَا وَ سَبَّحنَا المَلَائِکَةَ

''ہم نے تسبیح کی اور ہمارے ساتھ ملائکہ نے تسبیح شروع کی''۔

پس! ہمارے ساتھ ملائکہ نے تسبیح شروع کی۔ جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سَبَّحنَا جمع کا صیغہ ہے ''ہم نے''۔ ایک لفظ ہے' میں نے تسبیح شروع کی اور ایک لفظ ہے' ہم نے تسبیح شروع کی۔ فَسَبَّحنَا ''ہم نے تسبیح شروع کی'' plural استعمال ہو رہا ہے' جمع۔ اس کا مطلب ایک نے نہیں' کئی نے کی۔ اب سمجھ میں آیا کہ اگر چودہ تسبیح نہ کرتے تو فرشتے بھی نصیری ہوتے (نعرۂ حیدری)۔

فَسَبَّحنَا......

''ہم نے تسبیح شروع'' پس! ملائکہ نے تسبیح شروع کی۔ ابھی آدمؑ کے بننے کا دور دور تک کوئی پتا نہیں۔ اب اس نور کے سر پر تاجِ رسالتِ عظمیٰ کب رکھا گیا؟ زمین بننے سے پہلے یا زمین بننے کے بعد؟ آسمان کے خلق ہونے سے پہلے یا آسمان کے خلق ہونے کے بعد؟ یہ بات ہمارے knowledge میں نہیں ہے اور اس کے لیے ہم کوئی زبان نہیں کھول سکتے۔ لیکن ایک بات جو ہم کو قرآن نے بتائی ہے' وہ ہم جانتے ہیں کہ رسولؐ کی رسالت کا ذکر کافروں کے درمیان آیا تو قرآن میں آیت اُتری:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

''یہ جو کافر ہیں یہ کہتے ہیں کہ آپؐ رسول نہیں ہیں۔ آپؐ اُن سے کہہ دیجیے ہمیں پرواہ نہیں ہے۔ ہماری گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے'' (سورۂ رعد: آیت ۴۳)۔

معلوم ہوا کہ کوئی بندہ ایسا تھا اس وقت' جب آدمؑ بھی نہ تھے' جس نے پوری کتاب پڑھ لی تھی۔ کوئی پوری کتاب پڑھے بیٹھا تھا' اس وقت بھی جب آدمؑ آب و گِل میں بھی نہیں تھے۔ پتا نہیں تھے کہ نہیں تھے۔ زمین بنی تھی کہ نہیں بنی تھی۔ پانی خلق ہوا تھا کہ نہیں ہوا تھا۔ آسمان بنے تھے یا نہیں بنے تھے۔ یہ نہیں

معلوم، مگر کوئی ہیں جو پہلے بن چکے تھے، جنھوں نے پوری کتاب کا علم حاصل کر لیا تھا، وہ رسالتِ نبی کی گواہی دینے کے لیے کافی ہیں:

وَمَنۡ عِندَهُۥ عِلۡمُ ٱلۡكِتَٰبِ

''جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے''۔

عالم ہے، ہاں! کوئی جاہل وغیرہ نہیں۔ گواہی دینے کے لیے عالم ہے۔ گواہی دینے کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ اب یہ پتا لگانا پڑے گا کہ وہ کون سی ہستی ہے، جن کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ جب ہم نے پیغمبروں سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس پوری کتاب کا علم ہے؟ تو اُنھوں نے انکار کر دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے پاس پوری کتاب کا علم نہیں ہے، مگر کسی نے کہا کہ صرف ایک آیت کا علم ہمیں ملا ہے۔

اب ایک آیت کا علم ملا ہو یا دو آیتوں کا علم ملا ہو، پوری کتاب کا علم کسی کے پاس نہیں ہے تو یہ کون تھے جنھیں پوری کتاب کا علم تھا؟ اب بار بار جب ذہن دوڑایا تو جواب ملا کہ کہیں یہ وہی تو نہیں ہیں جو ایک دن منبر پر بیٹھے ہوئے ''سَلُونِی سَلُونِی قَبلَ اَن تَفقِدُونِی'' کہہ رہے تھے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ جملہ دیکھنے میں بہت چھوٹا ہے۔ یہ آپ نے بچپن سے مجلسوں میں سنا ہو گا کہ مولاؑ نے فرمایا:

سَلُونِی سَلُونِی قَبلَ اَن تَفقِدُونِی

"جو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اُٹھ جاؤں"۔

دیکھنے میں یہ جملہ بہت چھوٹا سا لگتا ہے اور عام طور سے دماغ میں تصور ہی یہ آتا ہے کہ یہی شرع کے مسائل' نماز کے مسائل' روزے کے مسائل' حج کے مسائل' زکوٰۃ و خمس کے مسائل اور میراث کے مسائل جو مولویوں سے پوچھے جاتے ہیں' عام طور پر اُنھی کی طرف اشارہ ہے مولاؑ کا کہ پوچھ لو۔ لیکن آپ اس جملے کی بلاغت دیکھیے تو اس میں اتنا بلیغ مطلب ہے کہ دنیا کا کوئی علم اس سے باہر نہیں ہے۔

سَلُونِی

"پوچھ لو مجھ سے"۔

مولویت کی کوئی بات نہ پوچھنا مجھ سے بلکہ کیمسٹری کی بات پوچھنا ہے' سَلُونِی کے دائرے میں آتا ہے۔ آپ کو فزکس کی بات پوچھنا ہے سَلُونِی کے دائرے میں آتا ہے۔ ان کو بائیولوجی کی بات پوچھنا ہے سَلُونِی کے دائرے میں۔ ان کو cosmology کی بات پوچھنا ہے سَلُونِی کے دائرے میں۔ ان کو Zology کی بات پوچھنا ہے سَلُونِی کے دائرے میں آتا ہے۔ کائنات کے جتنے علوم ہیں وہ سب سَلُونِی کے دائرے میں آتے ہیں۔ سَلُونِی کے دائرے میں سب آتا ہے۔ دوسری طرف کتاب خدا کہتی ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ انعام: آیت ۵۹)

"اور کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو کتابِ مبین میں نہ ہو"۔

معلوم ہوا کہ یہی وہ ہے جس کے سینے میں پوری کتاب اُتری ہوئی ہے (نعرۂ حیدری)۔

سَلُونی! ایک شخص دنیا میں ایسا گزرا ہے' تاریخ آدمؑ و عالم اس شخص کو کہاں ڈھونڈے گی؟ اس شخص کو کہاں پائے گی' جو سرِ منبر کوفہ بیٹھ کر سَلُونی کہہ رہا ہے۔ یہ علم کی انتہا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر میں اپنے علم کو ظاہر کروں تو لوگ کانپنے لگیں گے' جیسے گہرے کنویں میں لگی ہوئی رسیاں کانپتی ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

جہاں تک مولائے کائناتؑ کے علم کی بات ہے تو مولا علیؑ کے پاس جو مسئلہ آیا' جو دُشواری آئی' جو پیچیدگی آئی اُسے یوں حل کر دیا گیا جیسے کچھ تھی ہی نہیں۔ حضرت علیؑ اپنے باغ میں کام کر رہے ہیں' اپنی زمین پر خدمت سرانجام دے رہے ہیں' دنیا اپنے اپنے راستے کی طرف جا رہی ہے اور حضرت علیؑ مدینے کے راستے میں اپنی زمینوں پر کام کر رہے ہیں۔ جب پیچیدہ مسائل اُبھرتے ہیں تو لوگ اِدھر اُدھر سے ٹھوکریں کھا کر حضرت علیؑ کے دروازے پر پہنچتے ہیں۔ حضرت علیؑ کبھی کنواں کھودتے ہوئے مل رہے ہیں' کبھی درختوں کی کیاریاں بناتے ہوئے مل رہے ہیں' کبھی زمین کے اُوپر کوئی اور خدمت سرانجام دیتے ہوئے مل رہے ہیں اور عالم یہ ہے کہ آپؑ کے ہاتھ پاؤں مٹی سے بھرے ہوئے ہیں۔ حیرت نہ کیجیے گا اس بات پر' وہ شان ہے سَلُونی اور یہ انکسار ہے۔

اب آپ سمجھے ابوتراب کے معنی کیا ہیں! ہاتھ میں مٹی بھری ہوئی ہے اور وہ

آیا پوچھنے کے لیے یا علیؑ! یوں مسئلہ ہے' یہ ہے یہ ہے' فرمایا: دیکھ! آہستہ آہستہ اسی لمحے اسی منٹ' اسی سیکنڈ' اسے satisfactory جواب دے دیا۔

وہ مدتوں سے اُلجھا ہوا تھا' پریشان تھا' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ جب اُسے اتنا آسانی سے جواب مل گیا تو وہ اپنے کو کنٹرول نہ کر پایا اور عرض کیا: یا علیؑ! اتنی آسانی سے آپؑ نے اتنے بڑے مسئلے کا جواب دے دیا۔

باغ میں تنکے وغیرہ تو پڑے رہتے ہیں آپؑ نے ایک تنکا زمین سے اُٹھایا اور فرمانے لگے: دیکھو! یہ کیا ہے؟

عرض کیا: تنکا ہے۔

فرمایا: تم نے جو کہا آسانی سے کہہ دیا۔

عرض کیا: یا علیؑ! یہ بھی کوئی بات ہے۔

آپؑ نے فرمایا: جیسے تم نے تنکے کا جواب دیا ہے' ایسے ہی ہمارے لیے سارے مسائل ہیں (نعرۂ حیدری)۔

دوسرا آیا اُس نے بھی اسی طریقے سے کوئی پیچیدہ سوال کیا' کوئی مشکل ترین سوال کیا تو اُس کو بھی اُس کے سوال کا جواب دیا۔ وہ بھی حیرت میں آ گیا: یا علیؑ! آپؑ نے نہ سوچا' نہ سمجھا' نہ ٹائم لیا' نہ غور کیا اور جھٹ سے جواب دے دیا' اتنی جلدی۔ پھر عرض کیا: کتنا علم ہے آپؑ کے پاس؟ معاملہ کیا ہے؟

خاک میں بھرا ہوا ہاتھ تھا' جس پر مٹی لگی ہوئی تھی اس کے سامنے کر دیا اور

فرمایا کہ گن کر بتاؤ کہ اس میں اُنگلیاں کتنی ہیں؟

اُس نے عرض کیا: پانچ۔

فرمایا: نہ تم نے گنا' نہ سوچا' نہ غور کیا' نہ دماغ پر زور دیا اور درست جواب دے دیا؟

عرض کیا: یہ بھی کوئی چیز ہے سامنے کی تو بات ہے۔

آپؑ نے فرمایا: جس طرح یہ ہاتھ سامنے ہے اسی طرح جو علم کا اولین و آخرین ہے' وہ بھی میرے سامنے ہے۔ یہ ہیں صاحبِ سَلُونی۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

"کہہ دیجیے کہ گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے"۔

اب ایک بات تو بتایئے؟ جو قوم اتنے بڑے عالم کو چھوڑ دے' اس کے مقدر میں جہالت نہیں آئے گی تو اور کیا آئے گا؟ یہ دو الزام ہیں ہم پر کہ شیعہ فضائل علیؑ میں مبالغہ کرتے ہیں' حد سے بڑھا دیتے ہیں' مشکل کشا کہتے ہیں' منتیں مانگتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ ارے! یہ علیؑ کو خدا بنا دیتے ہیں۔ مختلف قسم کے الزامات لوگ لگاتے ہیں' حالاں کہ نہ ہم مولا علیؑ کو خدا بنا دیتے ہیں' نہ رسول بنا دیتے ہیں۔ ہم آج بھی یہ کہتے ہیں کہ خدا کے بندے تھے علیؑ، رسولؐ کے اُمتی تھے علیؑ، لیکن پہلے خدا اور رسولؐ کو سمجھ لو' پھر

علیؑ کو سمجھو۔

اگر بندہ ایسا ہے تو خدا کیسا ہوگا؟ اُمتی ایسا ہے تو رسولؐ کیسا ہوگا؟ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ زبان کے آگے خندق ہے جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں۔ یہ کہہ دیتے ہیں، وہ کہہ دیتے ہیں' لیکن آج تک کوئی دنیا میں پیدا نہ ہوا چودہ سو برس میں' جو علم علیؑ پر اعتراض کرے اور ہر مسلمان نے سر جھکا کر یہی کہا: علیؑ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے۔

دیکھیے میاں!

علم کا مطلب ہی سمجھ لیجیے کہ کیا ہے اور یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے اور یہ بڑ خطرناک مسئلہ بھی ہے۔ اس کو آپ محض کھیل نہ سمجھیے گا۔ تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں دنیا میں:

ایک وہ ہیں' جن کو کسی چیز کا علم ہے' کسی ایک چیز کا سب کا نہیں۔ وہ تو مولا علیؑ کو تھا۔ کسی بھی چیز کا علم مثلاً میڈیکل جانتا ہے' قانون جانتا ہے' انجینئرنگ جانتا ہے' کوئی لٹریچر جانتا ہے' کوئی language جانتا ہے۔

ایک وہ ہے جس کو کسی چیز کا علم ہے وہ عالم ہے۔ کون ہے وہ؟ وہ عالم ہے جو ایک چیز جانتا ہے مثلاً ہارٹ سپیشلسٹ' دل کی جو بیماریاں ہیں' جو دل کے مسائل ہیں' ان کے بارے میں جانتا ہے اور ان سے واقف ہے۔

ہم نے کہا: یہ کون ہیں؟

جواب میں کہا: یہ انکم ٹیکس کے بہت بڑے وکیل ہیں انکم ٹیکس کے جو

قاعدے ہیں' قانون ہیں' کیا ہے اور کیا نہیں ہے' انھیں جانتے ہیں۔

ایک وہ ہے جو عالم ہے اور ایک وہ جاہل ہے جو نہیں جانتا اور اس کو اس بات کا احساس بھی ہے کہ میں نہیں جانتا اور میں جاہل ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میڈیکل سائنس کیا ہے۔ کسی کو اگر heart کی تکلیف ہے تو میں نہیں بولوں گا۔ ہارٹ کے مریض کو ہارٹ کی بیماریوں کو ہارٹ کے امراض کو ہارٹ کے مریض کو کیا posses کرنا چاہیے؟ اور میڈیکل سائنس کہتی کیا ہے؟ اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو بولوں گا کیا؟

کسی کو انکم ٹیکس ریٹرن (return) داخل کرنا ہے تو میں بولوں گا ہی نہیں کیوں کہ مجھے معلوم ہی نہیں اس لیے کہ میں جاہل ہوں۔

یہ دونوں قسمیں عالم اور جاہل' بے ضرر ہیں۔ اگر عالم ہے تو اس کے علم سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور جاہل ہے تو چپ بیٹھا رہتا ہے بے چارہ کہ بھئی! مجھے معلوم نہیں ہے۔ یہ چھت میں اگر سلیب پڑتا ہے تو بیم کیسے پڑتے ہیں' کیا ہو گا؟ کیوں کر ہو گا؟ بھئی! مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کہاں کہاں pillar دیے جائیں گے' کون کون سے pillar بنیں گے؟ اور کون کون سے بنیں گے۔ بھئی! ہم انجینئر نہیں ہیں' ہمیں نہیں پتا۔ چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔

ایک وہ ہے جو جانتا کچھ نہیں ہے لیکن سمجھتا یہ ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ وہ ہوتا تو ہے جاہل مگر بنتا ہے عالم۔ اس قسم کا نام ہے' جاہل مرکب۔ جاہل مرکب قسم والے لوگ آپ کو society میں بہت ملیں گے۔

تجربہ کر کے دیکھیے اور ایک مرتبہ کسی محفل میں اپنی کسی بیماری کا تذکرہ کر کے دیکھ لیجیے۔ اتنے نسخے لکھے جائیں گے اور اتنی دوائیں بتائی جائیں گی اور اتنے کیپسول اور اتنی recommend tablet ہوں گی کہ اگر آپ لکھنے بیٹھ جائیں تو کتاب مرتب ہو جائے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ جاہل مرکب ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہر میدان میں ہیں۔ میڈیکل سائنس میں بھی ہیں، قانون میں بھی ہیں، انجینئرنگ میں بھی ہیں بلکہ ہر جگہ میں ہیں۔ مگر مذہب میں اس کی اتنی زبردست قسم پائی جاتی ہے کہ ایسی کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی۔ ایک کتاب بھی مذہب کی نہیں پڑھی اور بحث کرنے کے لیے بیٹھ گئے جناب! میرے خیال میں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ جناب! میرے خیال میں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ بھئی! جنھوں نے پوری پوری زندگیاں صرف کر دیں، جنھوں نے علم کلام پر کتابیں لکھیں، جنھوں نے علم فقہ پر اپنی جانیں دے دیں اور اپنے گلے کٹوا دیے وہ کچھ بھی نہ ہوئے اور آپ نے دو حرف بھی نہ پڑھے اور آپ سب کچھ ہو گئے (نعرۂ حیدری)۔

ایک طرف وہ ہے جو منہ پھلائے چلا آ رہا ہے۔ جناب! میں نے تو کتاب میں کہیں نہیں پڑھا۔ ارے! آپ نے کتنے قاعدے پڑھے ہیں؟ کتنی کتابیں پڑھی ہیں؟ کتنی لائبریریاں پڑھی ہیں؟ آپ نے کہا: پڑھا ہے کتاب میں جو تم نے نہیں پڑھا؟ دوسرے صاحب آئے اور کہا: کتاب میں تو یہ لکھا ہے: کون سی کتاب میں لکھا ہے؟ معتبر ہے یا غیر معتبر ہے۔ authentic ہے یا authentic نہیں ہے۔ اس کا لکھنے والا کون ہے؟ اور کیا پوزیشن ہے؟

عزیزانِ گرامی!

یہ جاہل مرکب والی قسم جو ہے اس نے برباد کر کے رکھا ہے مذہب کو اور نوجوانوں کو گم راہ کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑا طبقہ ہمارے پاس ایسا بھی ہے جو نوجوانوں کو گم راہ کرتا ہے۔

جناب دیکھیے! یوں سے یوں نہیں ہے۔ میں مولاؑ کے معاملے میں مروت کرنے والا نہیں ہوں اور جناب! فلاں معاملے میں یوں نہیں ہوں۔ یہ جاہل مرکب ہے۔ آپ نے پڑھا کتنا ہے؟ آپ نے جانا کتنا ہے؟ آپ علما کو سمجھے کیا ہیں؟ اسّی اسّی برس کے اور نوے نوے برس کے عالم، جنھوں نے اپنی پوری زندگیاں گزار دیں بَابِ مَدِينَةُ العِلم پر بیٹھ کر، تو وہ کچھ بھی نہ ہوئے اور آپ نے تحفۃ العوام بھی ٹھیک سے نہیں پڑھی، آپ عالم ہو گئے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

اسلام کی بربادی کا راز یہی ہے، اسلام کی تباہی کا راز یہی ہے اور نوجوانوں کے بھٹکنے کا راز یہی ہے کہ ایک طبقہ جاہل مرکب پیدا ہو چکا ہے، جو ہماری صفوں میں داخل ہونے کے بعد ایسی ایسی باتیں کرتا ہے کہ جس کو کچھ نہیں معلوم۔ نہ خدا کے بارے میں اس کو علم ہے اور نہ رسولؐ کے بارے میں۔

ہمارے پاس دو علم ہیں: ایک علم فقہ ہے اور ایک علم کلام ہے۔ علم کلام بحث کرتا ہے عقائد کے متعلق یعنی توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت۔ پانچ چیزیں جو ہمارے عقیدے میں ہیں اس سے علم کلام بحث کرتا ہے اور علم کلام میں آپ کو

یہ چیزیں ملیں گی۔

علم فقہ جو ہے وہ اعمال کے متعلق بحث کرتا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، میراث، نکاح، طلاق، معاملات، طہارت۔ ان تمام چیزوں سے علم فقہ بحث کرتا ہے۔ آپ نے یہ علم فقہ پڑھا اور خیر سے نہ علم کلام پڑھا اور بیٹھ گئے بڑے زبردست علامہ ڈہر بن کر۔

جناب! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دو چار اُن کے ویسے ہی مرید جیسے پیر ویسے ہی مرید۔

جی ہاں! آپ تو بہتر سمجھتے ہیں کہ وہ لگے ایک ایک کو گالیاں دینے۔ یہ طبقہ بڑا خطرناک طبقہ ہے۔ اس کو اپنے پر کنٹرول کرنا چاہیے۔ اس کو سوچنا چاہیے، اس کو پڑھنا چاہیے، اس کو معلومات فراہم کرنا چاہیے اور اس کو پوچھنا چاہیے۔ اولیائے کرام کی شان میں گستاخیاں ہو رہی ہیں۔ ایک آفت آئی ہوئی ہے، جس کے منہ میں جو آ رہا ہے وہ کہہ رہا ہے۔ یہ ہماری قوم کدھر جا رہی ہے؟ یہ قوم کدھر بے لگام ہو رہی ہے؟ یہ اہل بیتؑ کے ماننے والی قوم ہے، یہ حسینؑ کو رونے والی قوم ہے، یہ عزادار قوم ہے۔ اس کا اپنے آپ پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ کدھر جا رہے ہیں؟ سوچنے کے قابل بات ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اسلام میں ساری بربادی جو ہے وہ جاہل مرکب کی وجہ سے ہے۔ اسلام کی کہانی سنیے جو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔ اسلام میں علم تھا حضرت علیؑ کے

پاس۔ سیاسی مصالح نے علیؑ کو چھوڑ دیا تو علم تو اِدھر سے گیا۔ جو نہیں جانتے تھے وہ خاموش رہے۔ چلیے! وہ بولے نہیں۔ اب درمیان میں ایک طبقہ پیدا ہو گیا جو جاہل مرکب تھا' اس نے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں اور حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں اور بیانات گھڑنا شروع کر دیئے۔ اسلام میں جو آج اتنی تباہی آئی ہے' یہ تباہی اسی جاہل مرکب کی وجہ سے ہے۔

اسلام دین امن ہے' اسلام دین صلح ہے۔ اسلام کے معنی ہیں سلامتی' اسلام کے معنی ہیں امن و امان اور اسلام کے معنی ہیں سکون۔ اسلام گلے کاٹنے کا نام نہیں ہے۔ اسلام ذبح کرنے کا نام نہیں ہے۔ اسلام نعرۂ تکبیر پڑھ پڑھ کر لوگوں کی گردنیں اُڑا دینے کا نام نہیں ہے۔ اسلام دہشت گردی کا نام نہیں ہے مگر بدنصیبی سے جاہل مرکب نے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے' اس سے آج اسلام ساری دنیا میں بدنام ہو رہا ہے۔

یہ بدنامی دَر اہل بیتؑ چھوڑنے سے ہو رہی ہے۔ اگر اہل بیتؑ سے واقفیت ہوتی اور اہل بیتؑ کا دامن ہاتھ میں ہوتا تو آج مسلمان ایک دوسرے کے محافظ ہوتے۔ آج پڑوس میں ایک دوسرے کی خبرگیری کرتے' آج ایک دوسرے کا ساتھ دیتے اور ایک دوسرے کا سہارا بنتے۔ ایک طرف دنیا ہے کہ اب جاگتی چلی جاتی ہے۔ جب کہ ہمارے بچپن میں' ہمارے لڑکپن میں' ہماری جوانی میں دنیا سو رہی تھی۔

عراق میں کیا ہوا ہمیں پتا نہیں ہے' چار چھ دن بعد کوئی اطلاع آئی تو

حالات کا پتا چلا۔ افغانستان میں کیا ہوا ہمیں نہیں معلوم، کچھ معلوم ہوتا تھا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ جب کہ آج انٹرنیٹ، نئے آلات، نئے وسائل اور ہر ایک کے موبائل پر ویڈیو موجود ہے ان کے ذریعے ایک منٹ میں حالات کا پتا چل جاتا ہے۔ گردنیں کٹ رہی ہیں، اللہ اکبر کے نعرے لگ رہے ہیں، اللہ اکبر کہہ کر گردنیں کاٹ رہے ہیں۔ کیا یہ اسلام ہے، یہ دین ہے، یہ مذہب ہے، گردنیں اوڑا دینا اسلام کا نام ہے؟ کیا یہی رسولؐ خدا کی تعلیم ہے؟ اور اگر ایسا ہی دین ہے تو اس دین سے انسانیت کو کیا فائدہ ہے۔ یہ تو انسانیت کے لیے مستقل خطرہ ہے، danger ہے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ جاہل مرکب کا دین ہے یہ اسلام۔ وہ مُلاں جن کو کچھ معلوم نہیں تھا، انھوں نے نہ جانے کہاں کہاں سے پڑھ کر فتوے ایجاد کر لیے کہ جو تمھارا anti ہو، اس کی گردن اُڑا دو، مگر قرآن ایسے فعل کی مذمت کرتا ہے۔ میں اتنے بڑے مجمع میں challenge کر کے کہہ رہا ہوں اور میری آواز جہاں تک جا رہی ہے، سب کو دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ کفار ہیں اس لیے ہم انھیں مار رہے ہیں۔ واہ! سبحان اللہ! یہ انسان تو ہیں۔ کیا آپ انسانوں کا خون بہائیں گے؟ کیا تم بڑے مسلمان بن گئے ہو؟ بڑے اور کھرے مسلمان چوٹی بھر کے، ٹھاٹھے بندھے ہوئے، داڑھیاں بڑھی ہوئیں اور مونچھیں منڈھی ہوئیں (نعرۂ حیدری)۔

دُکھ کی بات یہ ہے کہ چند ایک کے سوا کوئی بھی مخالفت میں بولنے والا

نہیں۔ علمائے اسلام خاموش ہیں اور بہت کم اخبارات میں بڑی مشکل سے بیان آتے ہیں کہ یہ اسلام نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اگر مقصد اسلام سمجھنا ہے تو ہم سے سمجھیے اور ہم آپ کو کربلا کی روشنی میں اسلام سمجھائیں گے۔ یہاں دشمن کا گلا نہیں کاٹا جاتا ہے بلکہ دشمن کو پانی پلایا جاتا ہے۔ کربلا سمجھائے گی کہ اسلام کیا ہے۔ رسول اللہؐ سمجھائیں گے کہ اسلام کیا ہے۔ مولا علیؑ سمجھائیں گے کہ اسلام کیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کیسے ہوتا ہے؟ یہ جہادؑ جہاد نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے اور سراسر ناانصافی ہے۔

آج بدنصیبی سے ہر مقام پر مسلمانوں کا نام بدنام ہو رہا ہے کیوں کہ ہر معاملے میں مسلمان کا نام آتا ہے۔ ہندوستان میں پکڑے جاتے ہیں تو مسلمان پٹنہ میں کوئی دھماکا ہوتا ہے تو مسلمان۔ پھر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم خود کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ان سے تعلق نہیں۔ مگر پھر بھی کوئی تو element ایسا ہے مسلمانوں میں جو یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ چھوڑ دیجیے ہندوستان کو کیوں کہ ہندوستان میں سیاسی اور تعصبی لحاظ سے مسلمانوں کا نام لیا جاتا ہے مگر افغانستان میں کون سے کافر جاتے ہیں؟ بغداد میں کون سے کافر جا کر دھماکے کرتے ہیں؟ دمشق میں کون سے کافر جاتے ہیں؟ ایران میں کن کافروں نے دھماکے کیے ہیں؟ یہ کون لوگ کرتے ہیں؟ یہ کون سا طبقہ مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے؟

حضراتِ گرامی!

ہم سے کوئی کیا بات کرے گا' ہمارے پیش نظر تاریخ ہے۔ ہم نے تاریخ کی study کی ہے۔ مولا علیؑ جب اقتدار میں آئے تو اُس وقت مسلمانوں ہی میں دو طبقے ہو گئے۔ ایک وہ جو گروہِ علیؑ تھا' جو حضرت علیؑ کی طرف سے لڑ رہا تھا اور دوسرا وہ گروہ جو anti علیؑ تھا' جو حضرت علیؑ سے لڑ رہا تھا۔ اگر آپ تاریخ کو پڑھیں گے تو آپ کو یہ چیز مل جائے گی کہ گروہِ علیؑ کون تھے' جو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرف سے لڑ رہے تھے اور anti علیؑ کون تھے' جو علیؑ کے خلاف لڑ رہے تھے۔

اس کے بعد اسلام میں ایک طبقہ develop کیا گیا شام میں' جو دہشت گردوں کا طبقہ تھا یعنی terrorist طبقہ تھا۔ اس طبقے کا نام رکھا گیا ''خوارج'' اور یہ اسلام میں جاہل مرکب کی پہلی مثال تھی۔ خوارج جمع ہے خارجی کی۔ خارجی وہ ہوتا ہے جو اسلام سے خارج کر دیا جائے' expel کر دیا جائے' نکال دیا جائے' وہ خارجی ہے۔

عربی زبان میں خوارج اس لیے خوارج کہلائے کہ اُنھوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ حضرت علیؑ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ لہٰذا پلٹ کر تاریخ نے ان سے یہ انتقام لیا کہ خود ان کا نام ہی خارجی ہو گیا۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! جو مولودِ کعبہ ہو' جو شہید مسجد ہو' اس پر یہ الزام لگاتا کہ اسلام سے خارج ہو گیا (نعوذ باللہ)۔

ایک شخص گزرا ہے جس کا نام خسرا ابن ارتاض کماندو تھا اور وہ شاہ کا پروردہ

تھا۔ اس نے حضرت علیؑ کے borders پر گاؤں اور دیہاتوں میں جا کر عورتوں، بچوں اور کم زور بوڑھوں کا اس بے دردی سے قتل کیا اور اس بے دردی سے خون بہایا کہ بچوں کو پکڑتا تھا اور بے دردی سے اُن کی گردنیں کاٹ دیتا تھا۔ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر دیتا تھا اور بوڑھوں کو قتل کر دیتا تھا۔ اس نے بے انتہا خون بہایا اور بے انتہا خون ریزی کی، یہاں تک یہی وہ طبقہ تھا۔

سنیے گا!

یہی وہ طبقہ ہے جو مولا علیؑ کے سامنے جنگِ نہروان میں آیا۔ جنگِ نہروان جو لڑی ہے مولاؑ نے، وہ خوارج سے لڑی ہے۔ مولا علیؑ نے بہت سمجھایا، بہت سمجھایا، اس کے باوجود پندرہ ہزار کا لشکر لے کر آئے تھے اور گیارہ ہزار واپس چلے گئے۔ اب دل اُن کے بدلے یا نہ بدلے، بہر حال! واپس چلے گئے۔ چار ہزار اتنے کٹر تھے جو واپس نہیں گئے۔ جب واپس نہیں گئے تو حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ان کو تلواروں پر رکھ لیں۔ لشکر والے تلواریں لے کر آگے بڑھے اور اس کے بعد واپس پلٹ آئے۔ عرض کیا: یا علیؑ! وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں؟

کوئی جواب نہیں دے سکتا دنیا میں، قربان جاؤں! سوائے میرے مولاؑ کے، اس لیے کہ وہ لوگ اس حالت میں تھے کہ قرآن اُن کے گلے میں حمائل تھے۔ وہ ہر وقت قرآن پڑھا کرتے تھے اور قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کی دشمنی کا بھی دم بھرا کرتے تھے۔

عرض کیا: یا علیؑ! وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں۔

مولا علیؑ نے فرمایا: تلواریں نکالو اور اُن پر حملہ کر دو۔

عرض کیا: وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: قرآن اُن کے حلق میں پھنسا ہوا ہے' نیچے نہیں اُترا ہے (نعرۂ حیدری)۔

آپؑ نے فرمایا: قرآن اُن کے حلق میں پھنسا ہوا ہے' نیچے نہیں اُترا ہے۔ سبحان اللہ! اے میرے مولاؑ! آپؑ نے قیامت تک کے لیے فیصلہ کر دیا کہ قرآن جب تک حلق میں پھنسا رہتا ہے' جب تک آدمی سوکھا قرآن پڑھتا ہے اور جب دل تک پہنچ جاتا ہے تو محبتِ علیؑ بن جاتا ہے۔

میرے دوستو!

عالمِ اسلام میں آج پھر وہی دور آ گیا ہے' وہی خوارج کا دور آ گیا ہے کہ یہاں مسجد میں بم دھماکا کر دیا گیا' وہاں امام باڑے میں بم دھماکا کر دیا گیا' یہاں suicide bomber نے آ کر دس آدمیوں کی جان لے لی' وہاں پچاس آدمیوں کی جان لے لی اور وہاں چالیس آدمیوں کی جان لے لی۔ یہ جو موت کا بازار گرم ہے یہ جاہلِ مرکب کی نشانی ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔

اسلام وہ ہے جو کربلا میں بتایا گیا' اسلام وہ ہے جو حسینؑ نے بتایا ہے۔ دنیا میں revolution ہوتے ہیں' انقلاب آتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں دونوں طرف سے لوگ کام آتے ہیں۔ کربلا میں کم سے کم جانیں استعمال ہوئیں اور بڑے سے بڑا انقلاب آیا۔

آپ سوچ کر مجھے بتائیں کہ دنیا میں ایسا کون سا انقلاب ہے جس کی عمر چودہ سو برس ہو۔ آپ سوچیے کوئی ایسا انقلاب جس کی عمر چودہ سو برس کی ہوگی؟ مگر امام حسینؑ کا انقلاب چودہ سو برس بعد بھی زندہ وتابندہ ہے۔ وہی کیفیات ہیں' وہی لوگوں کے جذبے ہیں' وہی محبتیں ہیں' وہی مجمعے ہیں اور وہی لوگ ہیں۔ یہ حسینی انقلاب چودہ سو برس سے کامیابی کی منزلوں سے گزر رہا ہے اور آج تک اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا ہے۔

حضراتِ گرامی!

یہ انقلابِ کربلا کل بھی زندہ تھا اور یہ انقلاب آج بھی زندہ ہے۔ کل بھی پائندہ تھا اور آج بھی پائندہ ہے۔ اس انقلاب میں صرف اور صرف بہتر (۷۲) جانوں کا استعمال ہوا اور بہتر (۷۲) جانوں کے استعمال سے کتنا بڑا انقلاب رونما ہوگیا' جس کا نام انقلابِ حسینیؑ ہے۔

ذکرِ مصائب: حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی شہادت

آج آسمان پر محرم کا چاند طلوع ہے۔ اے محرم کے چاند! تُو آسمان پر تو نکلا مگر اسی چاند میں حضرتِ زہراؑ کے گھر کا چاند ڈوب گیا۔ محرم کا چاند ہوگیا' پہلی رات ہے آج' پہلی شب ہے۔ آج بڑی رونق ہے' لیکن دس راتوں کے بعد اُس کی رات کی ویرانی دیکھی نہیں جائے گی۔ یہی وہ چاند ہے جس میں حضرت لیلیٰؑ کا چاند سینے پر برچھی کھا کر سوگیا' حضرت رُبابؑ کے چاند کے گلے پر تیر لگا' حضرت

زینبؑ کے چاند مقتل میں ڈوب گئے' بنی ہاشمؑ کا چاند نہر پر شانے کٹا کر سو گیا اور حضرت فاطمہؑ کی گودی کا چاند......

ہاں عزیزانِ گرامی!

آج محرم کی پہلی رات ہے اور اکثر و بیشتر میرا دستور رہا ہے کہ میں پہلی محرم کی رات میں حضرت مسلمؑ کا تذکرہ کرتا ہوں۔ سلام ہو اس بے کس پر جو کوفے میں اکیلا تھا۔ سلام ہو اُس مظلوم پر جس کو وصیت کرنے کے لیے کوئی نہ ملا۔ سلام ہو اُس شہید پر کہ جو چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔

حضرت مسلمؑ تلوار چلا رہے ہیں اور دشمن ٹکڑے ہو رہا تھا۔ محمد ابن اشعث ملعون جو فوجِ اشقیا کا سردار تھا' وہ بار بار لکھ رہا تھا عمر ابن سعد اور ابن زیاد کی طرف کہ اور فوج بھیج اور فوج بھیج۔

اس نے کہا: لعنت ہو تجھ پر' ایک آدمی کی گرفتاری کے لیے چودہ سو فوج بھیجی اور کتنی فوج چاہتا ہے؟

اس نے کہا: تمھیں کیا معلوم کہ خاندانِ محمدیؐ کی ایک تلوار ہے جو سامنے آتا ہے وہ کٹ جاتا ہے اور فوج بھیج۔

اس نے وہاں سے لکھا کہ یہ بنی ہاشمؑ ہیں' یہ سامنے کی لڑائی سے نہیں مارے جائیں گے' ان کو دھوکے سے گرفتار کرو۔ اس لیے راستے میں دھوکے سے تیار کیے گئے اور گڑھے کھودے گئے۔

بس عزیزانِ گرامی!

میں مجلس تمام کر رہا ہوں۔ گڑھے تیار کیے گئے، انہی میں سے ایک گڑھے میں حضرت مسلمؑ گرے اور جب حضرت مسلمؑ گرے تو فوجِ اشقیا آگے بڑھی۔ اُن کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے۔ ہائے مسلمؑ ابن عقیلؑ جس کو چاروں طرف سے نیزے پر نیزے پڑ رہے تھے۔

يَا اَبَا عَبدِاللّٰهِ الحُسَينِ المَظلُومِ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آل عمران: آیت ۳۳)

ارشادِ پروردگارِ عالم ہے:

"یقیناً چن لیا اللہ نے آدمؑ کو اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کی اولاد کو اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم پر"۔

سلسلہ کلام ذہن عالی میں ہوگا!

ہمارے اور آپ کے درمیان کل جو گفتگو ہوئی تھی' وہ یہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام سے دنیا میں جو نبوت کا سلسلہ قائم ہوا' اس میں بے شک آپؑ پہلے رسول ہیں یعنی سلسلۂ نبوت میں پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں' لیکن دراصل آپؑ پہلے نہیں ہیں' بلکہ ہمارے رسول سرکارِ دوعالمؐ ہیں جو سب سے پہلے رسول ہیں اور سب سے آخر میں بھیجے گئے۔ میں آپ کو آپ کی دنیا کی ایک مثال دے دوں۔

بمبئی میں ماشاء اللہ بہت قصیدہ خوانیاں ہوتی ہیں اور جشن ہوتے ہیں۔ سارے ہندوستان سے بڑے بڑے شعرائے کرام آتے ہیں اور اپنی قصیدہ

خوانیوں میں منقبتیں اور نعتیں سناتے ہیں۔ جب فہرست بنتی ہے اور نام لکھے جاتے ہیں تو جتنے شعرا آپ نے بلائے ہیں' ان میں جو سب سے بڑا شاعر ہوتا ہے اس کا نام سب سے پہلے لکھا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو قصیدہ خوانیاں کراتے ہیں اور قصیدہ خوانی کے لیے شعرا کو بلاتے ہیں' وہ اچھی طرح سے واقف ہیں کہ جو سب سے بڑا چوٹی کا مشہور شاعر اس محفل میں آنے والا ہوتا ہے' اس کا نام سب شعرا سے پہلے لکھا جاتا ہے۔ جب سب شعرا آ جاتے ہیں اور پڑھائی شروع ہو جاتی ہے تو سب سے بڑا شاعر سب سے پہلے نہیں پڑھتا بلکہ وہ سب سے آخر میں پڑھتا ہے۔

دیکھو بھئی! یہ کون سی بات ہے کہ نام تو آپ نے سب سے پہلے لکھا اور پڑھوایا سب سے آخر میں؟ کہا: آپ سمجھے نہیں ہیں' یہ قصیدہ خوانی کی محفل ہے' یہ آپ کی مجلس نہیں ہے اس کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی عظمت کے لحاظ سے سب سے پہلے نام لکھا گیا اور اگر ہم اُنھی کو سب سے پہلے پڑھوا دیتے تو سارا مجمع اُٹھ کر چلا جاتا اور مجمع نہ ٹھہرتا۔

میاں! یہی مسئلہ نبوت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہوئے تو جو سب سے بڑا نبی تھا' وہ سب سے پہلے خلق ہوا لیکن بھیجا سب سے آخر میں گیا' تاکہ کائنات کی ہدایت کر سکے (صلوٰۃ)۔

عزیزانِ گرامی!

کل میں نے آپ کے سامنے سرورِ کائناتؐ کی خلقتِ نوری کا تذکرہ کیا تھا کہ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِی

''سب سے پہلے جو چیز خدا نے خلق کی وہ میرا نور تھا''۔

اب یہ مسئلہ بدنصیبی سے اسلام میں برسوں سے باعثِ اختلاف بنا ہوا ہے کہ حضورِ اکرمؐ نوری تھے کہ خاکی تھے؟ ہماری طرح تھے کہ ہم سے بہتر تھے؟

دیکھیے! دیکھنے میں تو آپؐ ہماری طرح تھے۔ ہاتھ، پیر، جسم، خاندان، نسل، اولاد، ماں باپ، علاقہ اور وطن، تمام چیزوں میں آپؐ ہماری طرح تھے، مگر ان کی حقیقت جو تھی وہ نوری تھی، وہ ہماری طرح نہیں تھی۔

اس چیز کو ٹھنڈے دل سے سوچیے جذباتی ہو کر نہ سوچیے۔ رسولؐ اسلام کو اللہ نے مرسلِ اعظمؐ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کا سردار بنایا تھا۔ آپؐ کو اللہ نے قرآن جیسی کتاب دی تھی اور قرآن جیسی کتاب کا مدرس بنا کر بھیجا تھا۔ ایسا شخص جو قرآن کی تفسیر بیان کرے، قرآن کا درس دے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کا سردار ہو، اگر وہ ہمارے جیسا ہو گا تو دین کا کام کیسے کرے گا؟ ہرگز نہیں کر سکتا، لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ نوری ہوں تاکہ علم کا وہ بوجھ اُٹھا سکیں، جو قرآن میں موجود ہے۔

اب مشکل اور پالیسی یہ تھی کہ اگر آپؐ تابشِ نور کے ساتھ دنیا میں تشریف لاتے تو لوگ بوکھلا بوکھلا کر کلمہ پڑھ لیتے اور غور کرنے کا موقع نہ ملتا جب کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ کلمہ پڑھے تو غور کر کے پڑھے، بوکھلا کر اور پریشان ہو کر نہ پڑھے۔

لہٰذا! یہ دونوں سرے کیسے ملے؟ East اور West کیسے ملے؟ ایک،

طرف تو ضرورت کہتی ہے کہ نوری ہو اور دوسری طرف مصلحت کہتی ہے کہ ہمارے جیسا ہو۔ ضرورت اور مصلحت کے یہ دونوں خانے کیسے ایک جگہ کیے جائیں؟

ہمارے لیے یہ اَمر مشکل ہو یا آسان لیکن اللہ کے لیے یہ آسان ہے کہ اُس نے اپنے حبیبؐ کا ظاہر تو بشری بنایا اور حقیقت نوری بنائی۔ حقیقت نوری اس لیے بنائی کہ کام متاثر نہ ہو اور ظاہر میں بشر اس لیے بنایا کہ پالیسی متاثر نہ ہو۔ پالیسی کے لیے رسولؐ جسمانی ہیں اور حقیقت کے لیے رسولؐ نورانی ہیں۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آپؐ جو ظاہری طور پر ہمیں نظر آ رہے ہیں، ہمارے درمیان آئے ہیں اور ہمیں عزت بخشی ہے، اُصلیت میں آپؐ نور ہیں بشر نہیں۔ اس کی دلیل اگر آپ کو چاہیے اپنے گھر میں جا کر دیکھیے یا اسی مسجد میں دیکھ لیجیے کہ مسجد میں یہاں سے وہاں تک قرآنِ پاک رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن کے لیے خدا نے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت ہے۔ قرآن کے لیے خدا نے فرمایا ہے کہ یہ نور ہے۔ قرآن کے لیے فرمایا ہے کہ اگر یہ پہاڑوں پر نازل ہو جائے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک الماری میں بیس بیس قرآن رکھے ہوئے ہیں، مگر الماری تو ٹوٹی نہیں۔ یہ کون سا قرآن ہے جو یہاں الماریوں میں رکھا ہوا ہے؟ اور وہ کون سا قرآن ہے کہ جو ہمالیہ کو سُرمہ بنا دے؟ کہا: قرآن ایک ہی ہے، وہ حقیقتِ قرآن ہے اور یہ ظاہر قرآن ہے۔

عزیزانِ گرامی!

حقیقتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور ہے اور ظاہر محمدؐ و آلِ محمدؐ اور ہے۔ اب ہم جو

فضائل بیان کرتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ ہم اہل بیتؑ کو حد سے سوا کر دیتے ہیں جب کہ ہم اہل بیتؑ کو حد سے سوا نہیں کر سکتے' اس لیے کہ پہلے تم حد تو معین کرو پھر ہم سے کہنا (نعرۂ حیدری)۔

اب حد تو معین کی جائے کہ یہ اہل بیتؑ کے فضائل کی حد ہے' پھر تو ہم حد سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ ہم نے حد معین کی اور کہا کہ حد سے سوا ہو گئے۔ بھئی! آپ کی معین کی ہوئی حد نہیں چلے گی۔ حضورؐ کو اللہ نے قرآن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا ہے:

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

"کتاب وحکمت کی تعلیم دے"۔

جو کتاب وحکمت کی تعلیم دے' اُس کے پاس پوری کتاب کا علم ہونا چاہیے یا نہیں؟؟ عقل کیا کہتی ہے؟ عقل کہتی ہے کہ ہونا چاہیے۔ جب ہونا چاہیے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کتاب میں knowledge کتنا ہے؟ کتاب کہتی ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ انعام: آیت ۵۹)

"اور کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتابِ مبین میں نہ ہو"۔

خشک وتر کتاب مبین میں ہے۔ رسولؐ اسلام کے سینے میں ہر خشک وتر کا علم ہونا چاہیے۔ مٹی کے بنے ہوئے انسان میں اتنا دم کہاں ہے کہ ہر خشک وتر کا بوجھ اُٹھا سکے؟

بمبئی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری تو آپ یاد نہیں کر سکتے' پورا قرآن کہاں سے

یاد کر لیں گے؟ لہٰذا! ضرورت اس بات کی ہے کہ رسولؐ نوری ہوٗ اس لیے اللہ نے ایک نور خلق کیا' جس کے لیے رسولِؐ خدا نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

"سب سے پہلے جو چیز خدا نے خلق کی' وہ میرا نور تھا"۔

لیکن! اب مسئلہ یہ تھا کہ نور بھی ایک اور خالق بھی ایک' اگر ایک نور اس دنیا میں آتا تو confusion پیدا کرتا کہ یہ خالق ہے یا وہ خالق ہے؟ خالق دکھائی نہیں دے گا اور نور دکھائی دے گا' لہٰذا ایسا نہ ہو کہ بندے بھٹک جائیں اس نور سے۔ لیکن نور کی اکائی اور ہے اور خالق کی اکائی اور ہے۔ نور کی اکائی اور ہے ہماری اُردو زبان چھوٹی ہے ہمارے پاس الفاظ زیادہ نہیں ہیں جب کہ عربی بڑی زبان ہے' عربی کے پاس الفاظ زیادہ ہیں۔ وہ اکائی جو undevidable ہو اور اپنے ساتھ کسی اکائی کو accept نہ کرے' اسے عربی میں اَحَدْ کہتے ہیں۔

پھر سنیے!

وہ اکائی جو تقسیم نہ ہوتی ہو اور اس کے ساتھ دوسری اکائی مل کر وہ ایک کو دو نہ بنا دے' اس اکائی کو عربی زبان میں مختلف کہتے ہیں اور وہ اکائی جو تقسیم کے قابل ہو devidable ہو اور اپنے ساتھ دوسری اکائی کو قبول کرلے اور ایک کی دو ہو جائے تو اس اکائی کو عربی میں واحد کہتے ہیں۔ اللہ نے جب اپنی یکتائی کا اعلان کیا تو فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورۂ اخلاص: آیت ۱)

"کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے"۔

یعنی یہ ایسی اکائی ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی اور جب حضرت محمد ﷺ نے اپنی یکتائی کا اعلان کیا تو فرمایا:

أَنَا وَ عَلِيٌّ مِن نُورٍ وَاحِدٍ

"میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں"۔

نورِ واحد! اب جو نورِ واحد ہے تو یہ ایسی اکائی ہے کہ ہے تو اکائی مگر devidable اکائی ہے۔ چنانچہ اس نور کی کہانی بھی سن لیجیے کہ اس نور کو دو حصوں میں بانٹا گیا۔ ایک نور کے حصے کا نام رکھا گیا محمدؐ اور دوسرے کا نام رکھا گیا علیؑ ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مصلحت گزری تو ایک نور کے دو حصے کیے' پھر دو حصوں کے پانچ حصے کیے اور یہ پانچوں حصے جب زیر کسا آ گئے تو جگمگاہٹ اتنی تیز ہو گئی کہ جبرئیلؑ کو یہ کہنا پڑا:

يَا رَبِّ وَ مَن تَحتَ هٰذَا الكِسَاءِ

"پالنے والے! اس کسا کے نیچے کون لوگ ہیں؟"

پھر پانچ کے بارہ حصے کیے اور پھر بارہ کے چودہ حصے کیے۔ نور کی کہانی عزیزانِ گرامی! یہ ہے کہ نور ایک تھا' جب اس کو دو حصوں میں بانٹا گیا تو محمدؐ و علیؑ بنے۔ اس کے بعد اس نور کو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک کیا۔ جب ایک کیا تو پھر علیؑ و فاطمہؑ کی شادی ہوئی جس کی تاریخ قرآن میں مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (سورۂ رحمٰن: آیت ۱۹) کی صورت میں موجود ہے۔

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس نور کے حصوں کو تقسیم کر دے تو اللہ نے اس نور کے حصوں کو پھر بانٹا تو حسنؑ و حسینؑ بنے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ نور کے دونوں دریاؤں کو آپس میں ملا دے تو حسنؑ کو بیٹی دی جس کا نام بھی انھوں نے اپنی ماں کے نام پر فاطمہؑ رکھا اور حسینؑ کو بیٹا دیا جس کا نام انھوں نے اپنے باپ کے نام پر علیؑ رکھا۔ اب علیؑ و فاطمہؑ اس گھر میں پچاس برس تک نشو و نما پاتے رہے تو مشیت خدا کہ علیؑ و فاطمہؑ کی شادی کر دی گئی اور اب جو بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام اس نورانی خاندان کے بزرگ وار کے نام پر محمدؑ رکھا گیا اور یہ ہیں ہمارے امام محمد باقر علیہ السلام۔ حضرت محمد امام باقر علیہ السلام سے جو نور کا دریا چلا وہ الحمدللہ! آج تک موجود ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ جب پردہ ہٹے گا اور دریائے نور زمین پر دنیا کے سامنے ظاہر ہوگا تو اس وقت دنیا دیکھے گی کہ اس نور سے

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (سورۂ زمر: آیت ۶۹)

''اور پروردگار کے نور سے زمین جگمگانے لگے گی'' (صلوٰۃ)۔

یہ ہے نور کی کہانی! بہر حال اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائناتؐ کو نوری بنایا، اگر آپؐ نوری نہ ہوتے اور آپؐ کا وجود ظاہری ہوتا تو......

غور کیجیے گا!

لہٰذا یہ چیزیں صبر و تحمل اور غور و فکر کرنے کے بعد سمجھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ جذبات میں یہ کہہ دینا کہ نہیں! یہ سب کچھ نہیں ہے۔ ارے! وہ حد سے سوا کر

دیتے ہیں' وہ تو بہت بڑھا دیتے ہیں۔ یہ نہیں ٹھیک ہے۔

خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید میں اپنے رسولؐ کے لیے ارشاد فرمایا ہے:

فَكَيْفَ اِذَاجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (سورۂ نساء: آیت ۴۱)

"اے ہمارے حبیبؐ! کیا شان ہو گی آپؐ کی؟ کیا مرتبہ ہو گا؟ کیا دبدبہ ہو گا آپؐ کا؟ جب ہم قیامت کے دن تمام اُمتوں کے پیغمبروں کو ان کی اُمتوں پر گواہ بنا کر لائیں گے اور آپؐ کو اُن پیغمبروں پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

یعنی قیامت کے دن پہلے پیغمبر آنا شروع ہوں گے' اپنی اُمت کے ساتھ اور اُمت کی دل سوزیوں پر' بدیوں پر' اچھائیوں پر' برائیوں پر' خیر پر' شر پر گواہی دیں گے اور پیغمبروں کی گواہیوں کی بنیاد پر اُمتوں کے فیصلے ہوں گے۔ پھر وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ایک طرف بٹھا دیے جائیں گے اور اب سرورِ کائناتؐ تشریف لائیں گے اور وہ آ کر گواہی دیں گے پیغمبروں کی خدمات پر۔ رسولؐ اسلام کی گواہی پر پیغمبروں کے رُتبے معین ہوں گے۔ سرورِ کائناتؐ کس سے کس نبی تک گواہی دیں گے؟ آپؐ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک گواہی دیں گے۔

غور کیجیے گا!

آپؐ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک گواہی دیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ، رسول اللہؐ سے پانچ سو ستر برس پہلے آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے۔ یہ

حضورؐ کے قریب قریب نبی تھے۔ ان کے علاوہ جو بھی انبیاؑ ہیں وہ اور دور ہیں۔

بھئی! ہم سے جو پانچ سو ستر برس پہلے دنیا سے چلا گیا' ہم اُس پر گواہی کیا دیں گے؟ تاج محل کس نے بنایا' ہم کیا گواہی دیں گے؟ دہلی کا لال قلعہ کس نے بنایا' ہم کیا بتائیں گے؟ قطب مینار کی تعمیر کس نے کی' ہم کیا بتائیں گے؟ ہم تو اُس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم آپؐ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ رسولؐ اللہ موجود تھے۔ جی ہاں! اگر موجود تھے تو کون سے جسم کے ساتھ موجود تھے؟ کیا آپؐ اسی جسم ظاہری کے ساتھ موجود تھے؟ نہیں! بلکہ وہ اپنی نورانیت و روحانیت کے ساتھ موجود تھے۔ اگر حضورؐ موجود نہ ہوتے اور باشعور نہ ہوتے اور سر پر تاج نبوت نہ ہوتا تو پھر کس authority سے گواہی دیتے؟ رسولؐ خدا کا گواہی دینا' اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ اللہ کی نظر میں اس وقت بھی موجود تھے اور اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر گواہ تھے جب کچھ بھی نہ تھا۔

یہ ہے ابتدائے رسولؐ کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کی کارکردگی پر گواہی دیں گے۔ اب رسولؐ اسلام اس دنیا میں تشریف لائے' سن اعام الفیل میں اور ہمارے خاک دانِ عالم سے سن ۱۱ عام الفیل میں گزر گئے۔ کیا آپؐ گزر گئے یا مر گئے؟ بس! یہ معاملہ طے کرنے والا ہے۔

دیکھیے!

اس میں جذباتی ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچیے۔ گزر گئے یا مر گئے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ مر گئے ہیں' مگر ہم کہتے ہیں

گزر گئے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں مر گئے۔ جو مر جاتے ہیں ان کو جھٹلایا جاتا ہے اس لیے کہ جو مر جاتا ہے' اس کا ذکر past کے صیغے میں ہوتا ہے اور جو زندہ ہوتا ہے' اس کا ذکر present کے صیغے میں ہوتا ہے۔ رسولؐ اسلام کے دنیا سے گزر جانے کے بعد سے لے کر آج تک مسجدوں میں اعلان ہو رہا ہے:

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں''۔

اب میں کہوں گا کہ مؤذن اپنے لفظوں کو بدل دے اور یہ کہے کہ تھے' ہیں کہاں۔ پانچوں وقت خدا کے گھر سے آواز آتی ہے ''ہیں''، اللہ فرما رہا ہے ''ہیں'' اور یہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہیں۔ اب اس کی مانیں یا ان کی مانیں' یہ آپ بتا دیجیے؟

گزر گئے۔ دیکھیے! گزر جانے کا مطلب یہ نہیں کہ فی الحال ختم ہو گئے۔ گزر جانے کا مطلب یہ نہیں کہ ڈیوٹی آف ہو گئی۔ گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بعد میں بھی ڈیوٹی لگائی اور قرآنِ مجید میں دوسری ڈیوٹی کا تذکرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اے رسولؐ! ''آپ اُمتِ وسط پر گواہ ہیں''۔ اُمتِ وسط کا ترجمہ لوگوں نے دو طرح سے کیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اُمتِ وسط سے مراد اُمتِ مسلمہ ہے' جو ساری دنیا پر گواہ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۳)

''اور ہم نے اس طریقے سے تم کو درمیانی گروہ قرار دیا کہ تم

تمام انسانی اُمتوں پر گواہ بنو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں"۔

عام عالم اسلام کی تفسیر یہ ہے کہ اُمتِ وسط سے مراد اُمتِ مسلمہ ہے جو تمام اُمتوں پر نگران ہے۔ عیسائیوں پر بھی نگران ہے' یہودیوں پر بھی نگران ہے' فارسیوں پر بھی نگران ہے اور ہندوؤں پر بھی نگران ہے۔ اللہ نے مسلمانوں کو سب کا حاکم بنا دیا ہے۔

اب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسے نگران ہیں؟ جو دوسروں کے دست نگر ہو گئے ہیں۔ ہماری تفسیر میں اُمتِ وسط سے مراد بارہ امامؑ ہیں' جو اللہ کی طرف سے اُمتوں کے حالات پر نگران ہیں اور

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

"اور رسولؐ تم پر گواہ ہیں"۔

رسولؐ جو ہیں وہ اُمتِ وسط پر گواہ ہیں۔ جس فرقے کا بھی مسلمان ہو وہ یہ مانتا ہے کہ اُمت کا کام ہو یا اہل بیتؑ کا کام ہو' سرورِ کائناتؐ کی رحلت کے بعد شروع ہوتا ہے' اُن کی زندگی میں شروع نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گواہ جو ہیں اُمتِ وسط پر رسولؐ، وہ اپنی رحلت سے لے کر صبح قیامت تک گواہ ہیں۔ اگر نورانی نہ ہوتے اور مر گئے ہوتے تو گواہ کیسے ہوتے؟ ان کا گواہ ہونا اُدھر پیغمبروں پر اور اِدھر اُمتِ وسط پر' اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس کونے پر بھی موجود تھے اور اُس کونے پر بھی موجود ہیں۔ اب رسولؐ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک رسولؐ کی جسمانی حیثیت ہے اور دوسری رسولؐ کی نورانی حیثیت ہے اور ایسے ہی

علیؑ ہیں۔

سمجھ لیجیے اس بات کو!

اس میں ندامت یا شرمانے کی بات نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ کہتے ہیں کہ کیا مانگتے ہو علیؑ سے علیؑ تو مر گئے۔ جناب! اگر نور کا ایک ٹکڑا زندہ ہے تو نور کا دوسرا ٹکڑا بھی زندہ ہے۔ اگر محمدؐ زندہ ہیں تو علیؑ بھی زندہ ہیں اور علیؑ کی زندگی کا بھی ثبوت موجود ہے۔

اب ہم کیوں مانگتے ہیں؟ اب یہ دو باتیں ہیں: ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تو نجف میں دفن ہو گئے اور نجف میں روضہ بن گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ نجف میں آپؑ کا روضہ ہے اور ہم جاتے ہیں زیارت کے لیے اور بوسہ بھی دیتے ہیں۔ مدینے میں سرکارؐ کی قبر مبارک موجود ہے' وہاں بھی جاتے ہیں' حالاں کہ وہاں بوسہ نہیں دینے دیتے' مگر بہر حال جاتے ہیں عقیدت سے۔ جاتے ہیں تو مدینے بھی جاتے ہیں اور نجف بھی جاتے ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ یہاں رسولؐ اللہ دفن ہیں اور یہاں مولا علیؑ دفن ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب دفن ہیں تو مانگنے کیا جاتے ہو؟

ہم نے کہا: دوہرا وجود ہے' ظاہری وجود کو بوسہ دینے جاتے ہیں اور باطنی وجود سے مانگتے ہیں۔ ظاہری وجود کو بوسہ دینے جاتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن رکھا ہو تو آپ قرآن کو چومتے ہیں۔ یہ قرآن وہ قرآن نہیں ہے جو پہاڑ کو سرمہ کر دے۔ اب ظاہر قرآن کو چومتے ہیں اور باطن قرآن جو ہے وہ ایسا ہے جو چاہے

وہ کر دے۔ اسی طرح یہ محمدؐ و آلِ محمدؐ جو ہیں ان کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ہے۔ ظاہر میں وہ ایک بشر کی حیثیت سے ہیں اور باطن میں نور ہیں۔ جس کو اللہ نے دین کی ہدایت کے واسطے خلق کیا' اب اسی میں رسولؐ بھی ہیں اور اسی میں علیؑ بھی ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ علیؑ اس کونے پر تھے کہ نہیں جو آغاز کا کونہ ہے جہاں سے آدمؑ پر گواہی ہوئی۔

قرآن کہتا ہے:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

"اور (اے رسولؐ!) کافر کہتے ہیں کہ آپؐ رسول نہیں ہیں تو آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے" (سورۂ رعد: آیت ۴۳)۔

جب رسولؐ خدا کے سر پر تاجِ رسالتِ عظمٰی رکھا جا رہا تھا تو حضرت علیؑ کھڑے ہو کر گواہی دے رہے تھے۔ نور کا ایک حصہ بنا تھا' ہدایت کے واسطے اور نور کا دوسرا حصہ بنا تھا' مدد کے واسطے۔

اب اس کا ثبوت بھی سن لیجیے! بزمِ رسولؐ ہے' حضرت سلمان فارسیؓ آئے تھے' نئے نئے خدمتِ رسولؐ میں۔ رسولؐ اسلام تشریف فرما ہیں' سلمان فارسیؓ حاضر ہیں' مولا علیؑ بیٹھے ہیں' سامنے کھجوریں رکھی ہیں اور کھجوریں نوش کر رہے

ہیں۔ ایک دفعہ پتا نہیں کیا ہوا کہ گٹھلی گھوم پھر کر لگی سلمانؓ کو جا کر۔ سلمانؓ بہت بوڑھے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ سو برس کے تھے اور کچھ کہتے ہیں کہ سو برس سے زیادہ کے تھے' بہر حال! جتنے بھی ہوں بوڑھے بہت تھے۔

بوڑھے کو جب کوئی چھیڑتا ہے تو اس کو فوراً اپنا بڑھاپا یاد آ جاتا ہے۔ بوڑھے مجھے معاف کریں گے کیوں کہ میں خود بھی بوڑھا ہو گیا ہوں' لہٰذا اب مجھے کہنے میں کوئی شرم نہیں ہے۔ بوڑھے کو جب کوئی چھیڑتا ہے خاص طور پر کوئی نوجوان تو ایک دم بھڑکتا ہے اور کہتا ہے کہ شرم نہیں آتی۔

اب سلمانؓ کو لگی گٹھلی' چوتھا کوئی تھا نہیں' ایک علیؑ تھے' سلمانؓ تھے اور رسولؐ خدا تھے۔ رسولؐ خدا تو گٹھلی مارنے سے رہے۔ لامحالہ وہ چوبیس پچیس برس کا جوڑا کا بیٹھا ہوا تھا' اسی نے ماری ہو گی گٹھلی۔ کہا: مجھ بوڑھے سے مذاق کرتے ہیں؟

اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: کیا آپؓ بہت بوڑھے ہیں؟

اب بتایئے! کیا ہوا ہو گا' چوبیس پچیس برس کا وہ لڑکا سو سوا سو سال کے بوڑھے سے پوچھ رہا ہے کہ کیا بہت بوڑھے ہو؟؟؟ انھوں نے بوکھلا کر اپنی age بتا دی اور عرض کیا: جی! اتنا ہوں۔

مولاؑ نے فرمایا: اچھا! اتنی عمر پا گئے؟ یہ بتاؤ کہ وہ آدمی تمھیں یاد ہے جب ایک دفعہ تمھیں شیر نے گھر لیا تھا (نعرۂ حیدری)۔

ایک میدان میں تمھیں شیر نے گھیر لیا تھا اور کوئی بچاؤ کی صورت باقی نہیں تھی۔ ایک آدمی نے آ کر شیر کو بھگایا اور تم کو بچایا تھا

اب تو سلمانؓ ایک دم حیران ہوئے اور عرض کیا: جی ہاں! جی ہاں! آپؑ صحیح فرماتے ہیں' بالکل وہ آدمی' بے شک' بے شک۔ مگر یہ آپؑ کو بتایا کس نے؟ یہ تو میری تو جوانی کا قصہ ہے' وہ تو میں نے آج تک منھ سے نکالا ہی نہیں' خدا کو علم ہے یا وہ آدمی جانتا ہے جس نے مجھے بچایا تھا یا میں جانتا ہوں' اس کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہے۔ یہ آپ کو کس نے بتایا؟

ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا اس کے کہنے کا بھی اور فرمانے لگے: جب وہ آدمی شیر کو بھگا چکا اور آپؓ محفوظ ہو گئے تو اس وقت تمھارے پاس کچھ تھا نہیں جب کہ جنگل میں کچھ پھول کھلے ہوئے تھے' تم نے اُن پھولوں کا ایک گل دستہ بنایا اور وہ گل دستہ اُس آدمی کو پیش کیا۔ تم ہی نے کہا تھا کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے یہ میرا تحفہ قبول کر لیجیے۔

اب تو سلمانؓ کانپنے لگےshivering۔ جی ہاں! جی ہاں! صحیح کہتے ہیں آپؑ' صحیح کہتے ہیں آپؑ' مگر یہ آپؑ سے کس نے کہا ہے؟ کس نے بتا دیا ہے؟ مولائے کائناتؑ نے عبا میں ہاتھ ڈالا اور وہی گل دستہ اور وہی کھلے ہوئے پھول نکالے (نعرۂ حیدری)۔

جنابِ سلمانؓ نے عرض کیا: ہاں! جی ہاں! جی یہی تھے۔

اب یہ بات پوچھنے کے قابل ہے کہ برسوں سے جس کے ہاتھ میں پھول نہ کملائے ہوں' کیا اس کے باغ میں پھول کملا جائیں گے۔ اب معاملہ یہ تھا کہ یہ ڈوبتے' اب شانہ ہلانے کا وقت تھا۔ مولاؑ نے فرمایا: سلمانؓ حیران نہ ہو ہر نبی کی

مدد میں نے چھپ کر کی ہے (اور رسولؐ خدا کی مدد ظاہر میں کی)۔ محمدؐ کی مدد کو علیؑ علی الاعلان آئے۔

محمدؐ اس طاقت کا نام ہے جو ہدایت کرے اور علیؑ اس طاقت کا نام ہے جو مدد کرے (صلواۃ)......(نعرۂ حیدری)۔

اب جب ہم فضائل پڑھتے ہیں تو کچھ لوگ کہتے ہیں: شرک بک رہے ہیں، شرک بک رہے ہیں۔ دُکھ کی بات یہ ہے کہ جن کے منھ سے شرک نہیں نکلتا وہی شرک کہتے ہیں کہ شرک ہے جی! تو ہم کہتے ہیں کہ اگر رسولؐ اللہ پیغمبروں پر گواہ بن سکتے ہیں تو مولا علیؑ مدد کے لیے بھی آ سکتے ہیں۔

جس وقت نوحؑ اپنی کشتی پر بیٹھ کر چل رہے تھے تو اس وقت رسولؐ گواہ ہیں اور جب ابراہیمؑ آگ میں ڈالے جا رہے ہیں تو اس وقت رسولؐ گواہ ہیں اور جب موسیٰؑ، فرعون کے دربار میں آئے تو اس وقت رسولؐ گواہ ہیں اور جب عیسیٰؑ کے لیے سولی لائی گئی تھی تو اس وقت رسولؐ گواہ ہیں اور علیؑ مدد کے لیے آئے ہیں۔

اب اگر ہم یہ کہیں کہ جب نوحؑ اپنی کشتی میں جا رہے تھے تو اس وقت علیؑ نے مدد کی۔ جب ابراہیمؑ آگ میں گرائے جا رہے تھے تو اس وقت علیؑ نے مدد کی۔ جب موسیٰؑ فرعون کے سامنے جا رہے تھے تو اس وقت علیؑ نے کمر تھامی۔ جب عیسیٰؑ کے لیے سولی آئی تو اس وقت علیؑ نے مدد کی۔ یہ کون سا شرک ہو گیا بھائی؟ ایک نور کا حصہ بنایا گیا ہے، گواہی کے لیے اور دوسرا حصہ بنایا گیا ہے، مدد

کے لیے۔ اس کو شرک نہ بنائیے بلکہ اللہ کی ہی قدرت کے کارخانے ہیں یہ سب، جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کونے پر تو علیؑ تھے یعنی جو آغازِ کائنات تھا، اب انجامِ کائنات والے کونے پر ہیں کہ نہیں؟ جہاں یہ کائنات ختم ہو رہی ہے؟ جب قیامت آ رہی ہو، بستر لپیٹا جا رہا ہو، رسولؐ تو ہیں اس لیے کہ اُمت وسط پر گواہ ہیں، علیؑ ہیں کہ نہیں؟

اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں ایک سورہ ہے اور وہ سورہ بہت سے لوگوں کو زبانی یاد ہے، جس میں ارشاد ہوتا ہے:

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (سورۂ الزلزال، آیات ۱ تا ۸)

"جب زمین بڑے زوروں کے ساتھ زلزلہ میں آ جائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھے (معدنیات) مردے وغیرہ نکال باہر کرے گی اور ایک انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس روز وہ اپنے سب حالات بیان کر دے گی کیوں کہ تمھارے پروردگار

نے اس کو حکم دیا ہوگا۔ اس دن لوگ گروہ در گروہ (اپنی قبروں
سے) نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال دیکھیں تو جس شخص نے ذرہ
برابر نیکی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر
بدی کی ہوگی تو (وہ بھی) اسے دیکھ لے گا"۔

یہ کون سا انسان ہوگا آپ مجھے بتائیے؟ اس لیے کہ عام انسان تو زلزلے کے ہلکے سے جھٹکے میں ختم ہو جاتا ہے۔ جب زلزلے کے ہلکے سے جھٹکے آتے ہیں تو ستر ہزار، پچھتر ہزار میتیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جب زمین کو زور زور سے اتنا ہلا دیا جائے گا کہ جو کچھ اس کے اندر ہوگا اُسے نکال کر باہر پھینک دے گی تو پھر کون سا ایسا انسان بیٹھا ہوگا پوچھنے کے لیے، جب کہ سب کے سب منوں مٹی میں دبے ہوئے مرے ہوئے ہوں گے، اُن میں اتنا دم ہی کہاں ہوگا جو پوچھ لیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور انسان ہے بلکہ یہ عام انسان نہیں ہے:

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ (سورۃ الزلزال، آیت ۳)

"انسان پوچھے گا تجھے کیا ہو گیا ہے، کیا کر رہی ہے؟ یہ کیوں
جھٹکے کھا رہی ہے؟"

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ (سورۃ الزلزال، آیت ۴)

"وہ دن جس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی"۔

اِدھر انسان نے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اور اُدھر اللہ کا حکم آیا زمین انسان کو رپورٹ دینے لگی کہ یہ ہوا، یہ ہوا اور یہ ہوا معلوم ہوا کہ کوئی اتنا important

انسان ہے جس نے زمین سے پوچھا اور زمین رپورٹیں دے رہی ہے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ (سورۃ الزلزال، آیت ۴)

ایسے ہی نہیں کہ خود بہ خود رپورٹ دینے کو تیار ہو گئی بلکہ

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (سورۃ الزلزال، آیت ۵)

"اس لیے کہ اس کے رب نے اس کو وحی کی ہے کہ انسان پوچھ رہا ہے بولتی نہیں، بول"۔

بول اور بیان کر statement دے اور زمین نے statement دینا شروع کر دیا کہ یہ ہوا' یہ ہوا اور یہ ہوا۔ یہاں پر ظلم ہوا' یہاں پر عدل ہوا' یہاں پر ایک آدمی کی مدد کی گئی' یہاں پر ایک آدمی کو قتل کیا گیا اور یہ ہوا وغیرہ۔

اب سمجھے آپ! یہ کون سا انسان ہے؟ تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں انسان سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے دو وجود عطا کیے ہیں: ایک وجود ظاہری ہے اور دوسرا وجودِ نوری۔ سلسلہ کلام آگے بڑھے گا انشاء اللہ! ہمارے نبیؐ پہلے حضورؐ ہیں' لیکن آئے سب سے آخر میں اور وہ سلسلۂ انبیا جس میں انبیا دنیا میں آئے' ان میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں جن کو اللہ نے بنایا اور فرشتوں سے فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (سورۃ الحجر: آیت ۲۹)

"تو جس وقت میں اس کو ہر طرح سے درست کر چکوں اور
اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دوں تو سب کے
سب اُن کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا"۔

بس میرا آج کا بیان تمام ہونے کے قریب پہنچ رہا ہے۔ پیکر آدمؑ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک لوں تب تم سجدے میں جھک جانا۔ آدمؑ کا پتلا مٹی سے بنا اور مٹی سے بن کر جب وہ مٹی کا پیکر تیار ہو گیا تو اللہ نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ

"جب میں اس کو ٹھیک سے درست کر دوں"۔

وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

"اور اس میں اپنی روح پھونک لوں"۔

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ

"تو تم سب کے سب اس کو سجدہ کرنا"۔

عزیزانِ گرامی!

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ خالق روح ہے۔ نہ اللہ روح ہے نہ اللہ نور ہے' نہ اللہ جسم ہے' نہ اللہ دکھائی دے گا' نہ اللہ سنائی دے گا اور نہ اللہ محسوس کیا جا سکے گا اعضا جسم سے۔ جب اللہ خالق روح ہے تو "رُّوْحِيْ" کا کیا مطلب ہے؟

کر فرمایا: جب میں اپنی روح پھونک دوں تو سجدہ کرنا۔

یہ اللہ کی روح کون لوگ ہیں؟ جب یہ سوال معصومؑ سے کیا گیا تو معصومؑ نے ارشاد فرمایا: وہ ہمارے انوار تھے جو پیکرِ آدمؑ میں داخل کیے گئے۔ جب اللہ نے ہمارے انوار پیکرِ آدمؑ میں داخل کیے تو آدمؑ آدمی بن کر اُٹھ بیٹھے اور اس قابل ہو گئے کہ ملائکہ اُن کو سجدہ کریں۔

معلوم ہوا کہ یہ نور جہاں چمکا وہاں سجدہ ہوا۔ اگر آدمؑ کے پیکر میں چمکا تو ملائکہ نے سجدہ کیا اور کعبے میں چمکا تو ساری کائنات نے سجدہ کیا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ ہیں محمدؐ و آلِ محمدؐ، ان کی عظمت' ان کی جلالت اور ان کی شان کو کم نہیں کرنا چاہیے اور شرمانا بھی نہیں چاہیے ان کے بیان اور فضائل میں۔ اس لیے کہ صاحبِ فضائل ہوتے ہوئے بھی اہل بیتؑ رسالتؐ بہت مظلوم ہیں اور اُن کے فضائل چھپائے گئے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُن کے فضائل پر پردے ڈالے گئے ہیں' اُن کے فضائل چھپائے گئے ہیں' اُن کے فضائل کو نظر انداز کیا گیا ہے اور اُن کے فضائل کی حدیثوں کو چھپایا گیا ہے۔ جب تک طاقت رہی اس وقت تک حکومت' دولت' فوج اور لشکر کے زور پر اہل بیتؑ کے فضائل چھپائے جاتے رہے۔ جھوٹی حدیثیں گھڑی گئیں علیؑ کے فضائل کے جواب میں اور اُن کی publicity کی گئی۔ ان پر کئی دینار پیسہ خرچ کیا گیا اور جب طاقت ختم ہو گئی' حکومتیں ختم ہو گئیں اور دولت نے ساتھ چھوڑ دیا تو اب آج کل اخلاقی زور ڈالا جا

رہا ہے۔

کہتے ہیں: ارے صاحب! وہ تو بس فضائل ہی پڑھتے ہیں' کام کی کوئی بات پڑھتے ہی نہیں اور بلا لیا تھا ایک صاحب کو کہ فضائل پڑھیں گے۔ ہائے! تو آپ کو فضائل اہل بیتؑ سے ایسی کون سی عداوت ہوگئی؟ کیا بگاڑا ہے آپ کا فضائل اہل بیتؑ نے؟ کیا اہل بیتؑ صاحبِ فضائل نہیں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو انکار کر دیجیے کہ غلط ہیں اور اگر صحیح ہے تو صحیح بات کا کہنا کیا غلط ہے؟ کام کی بات پڑھتے ہی نہیں۔ کام کی بات کیا ہے؟ روکھے سوکھے اعمال کو پڑھیے' فضائل نہ پڑھیے' مگر جہاں ذکر اہل بیتؑ آ جائے وہاں بھرپور فضائل اہل بیتؑ پڑھیے (نعرۂ حیدری)۔

میں اس سے منع نہیں کرتا ہوں بے شک ہونا چاہیے۔ قوم کی اخلاقی حالت بھی ٹھیک ہونی چاہیے' قوم کی تعلیمی حالت بھی ٹھیک ہونی چاہیے' قوم کی اقتصادی حالت بھی ٹھیک ہونی چاہیے اور قوم کو پابندی کے ساتھ اعمال کی انجام دہی بھی کرنی چاہیے۔ یہ تعلیم اہل بیتؑ ہے۔ یہ سب باغ اہل بیتؑ کے لگائے ہوئے ہیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور خمس اہل بیتؑ ہی کے بتائے ہوئے ہیں۔ اہل بیتؑ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان میں کوئی کمی نہ کریں' لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ نماز کی آڑ میں اہل بیتؑ ہی کو چھوڑ دیں۔

اعتراض مجھے کس بات پر ہے' یہ سمجھ لیجیے۔ میں صرف اتنے کا ذمہ دار ہوں جتنا پڑھ رہا ہوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی میری طرف منسوب کرے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

اعمال بہت ضروری ہیں، نصیحت بہت ضروری ہے اور واعظ بہت ضروری ہیں مگر فضائلِ علیؑ کے ساتھ، اس لیے کہ اگر علیؑ سے بے نیاز ہو کر اعمال کیے جائیں تو وہ کام نہیں آئیں گے اور وہ اعمال کام نہیں آئیں گے۔

عزاداریٔ محرم۔ اُس نے کہا: یہ اعمال کام نہیں آئیں گے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کون سا کام لانے والے ہیں؟ یہ ٹھیکہ آپ کو کس نے دے دیا ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ کیا کام آئے گا اور کیا نہیں آئے گا؟ ہم تو مظلوم علیؑ کا حق بیان کرتے ہیں جس نے اس دنیا سے کچھ بھی نہ لیا اور سب کچھ دے دیا (حیدر، حیدر، حیدر، حیدر...... نعرۂ حیدری)۔

دنیا سے کچھ بھی نہ لیا اور دنیا کو بہت کچھ دیا۔ چند کلو جَو، چند گز موٹا کپڑا معمولی کم قیمت اور اس کے بدلے میں دیا کیا ہے آپ صرف نہج البلاغہ ہی کو لے لیجیے تو تاریخ عالم و آدمؑ میں ایسی کتاب نہ ملے گی۔

عزیزانِ گرامی!

علیؑ وہ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کو تحفے دیے ہیں۔ ہم کیا چیز ہیں۔ اللہ نے علیؑ کو تحفے میں حسنؑ، حسینؑ جیسے بیٹے دیے اور علیؑ نے پلٹ کر اللہ کی بارگاہ میں یہ تحفہ پیش کیا کہ عباسؑ جیسا بیٹا اللہ کی خدمت میں تحفہ کر دیا۔ اللہ نے علیؑ کو علم قرآن دیا اور جواب میں علیؑ نے نہج البلاغہ دے دیا کہ معبود! یہ حاضر ہے تیری خدمت میں۔ اب اس کے بعد اگر ہم علیؑ کے فضائل پڑھتے ہیں تو ہم قرضہ ادا کر رہے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

ہم قرضہ ادا کر رہے ہیں اور یوں سمجھ لیجیے کہ اگر کسی آدمی پر کسی آدمی کا پانچ ملین ڈالر کا قرضہ ہو اور گورنمنٹ سے سو روپے مہینے کی قسط بن جائے تو وہ تو وہ اس کے بیٹے بھی نہیں دے سکیں گے۔ قرضہ کہاں، پانچ بلین ڈالر کہاں اور سو روپے مہینہ۔ کہا کہ جب ادا کر ہی نہیں سکتے تو کیوں دیتے ہو سو روپیہ مہینہ؟ جی! پڑھتے کیوں ہو فضائل، جب حق علیؑ ادا ہی نہیں کر سکتے۔ بھئی! پڑھتے صرف اس لیے ہیں کہ defaulter کی فہرست میں نام نہ آنے پائے (نعرۂ حیدری)۔

بات تو کل آگے بڑھے گی انشاءاللہ...... لیکن میں جانتا ہوں کہ آج میں نے کچھ فضائل پڑھے ہیں۔ آج کی مجلس پر comments ہوں گے۔ کہیں گے: جی ہاں! علیؑ علیؑ ہو رہا تھا۔ ایک صاحب نے ایک جگہ مجھ سے کہا: بڑے افسوس کی بات ہے، بڑے درد کی بات ہے، ہنسی کی بات نہیں ہے، سنجیدہ بات ہے۔ پتا نہیں کس جوش میں تھے، وہ کہنے لگے: جناب! علیؑ علیؑ سنتے سنتے کان پک گئے میرے (نعوذ باللہ)۔ میں بھی جلا بیٹھا تھا، میں نے کہا: کٹوا ڈالیے اپنے کان (نعرۂ حیدری)۔

علیؑ نے بہت کچھ دیا ہے اس دنیا کو اور اس کے بعد اپنا پورا خاندان راہِ خدا میں دے دیا۔

ذکرِ مصائب: وُرودِ کربلا

عزیزانِ گرامی!

آج محرم کی پہلی تاریخ ہے، امام عالی مقامؑ سے حرؓ کے لشکر کی ملاقات ہو

چکی ہے۔ اب کربلا قریب ہے اور مدینہ دور رہ گیا۔ علیؑ کا پورا گھرانہ علیؑ کے بیٹے علیؑ کے پوتے علیؑ کے نواسے علیؑ کا سارا خاندان شہادت دینے کے لیے زمین کربلا کے قریب آئے۔ آج محرم کی دوسری رات آ گئی۔ قافلہ چل رہا ہے کربلا کی زمین قریب آ رہی ہے۔ عباسؑ بھی موجود ہیں عباسؑ کے بھائی بھی موجود ہیں مسلمؑ کے پسر بھی موجود ہیں جعفرؑ کی اولاد بھی موجود ہے زینبؑ کے لال بھی موجود ہیں حسنؑ کی اولادیں بھی موجود ہیں حسینؑ کے بیٹے بھی موجود ہیں۔ پورا بھرا چمن علیؑ کا کربلا کے میدان میں قربانی دینے آ رہا ہے۔

کیا ہے کوئی دنیا میں ایسا جس کے خاندان نے اتنی قربانیاں دی ہوں اور یہ اٹھارہ قربانیاں جو پیش ہوئی ہیں علیؑ کے گھر کی قربانیاں نہ تھیں تو اور کس کے گھر کی قربانیاں تھیں؟ یہ اٹھارہ بنی ہاشمؑ جو کربلا میں شہید کیے گئے یہ علیؑ کا گھرانہ نہیں تھا تو اور کس کا گھرانہ تھا؟ آج دوسری رات ہے۔ محرم کی دوسری تاریخ تھی جب قافلہ کربلا پہنچا۔ حسینؑ نے جب پوچھا کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟ تو کسی نے عرض کیا: کربلا ہے۔ اُتر پڑے اور فرمایا: بھیا عباسؑ! سفر ہمارا تمام ہوا یہی وہ زمین ہے جہاں ہمیں شہید کیا جائے گا۔ یہی وہ زمین ہے جہاں ہماری ہتک حرمت کی جائے گی۔ یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے بچے ذبح کیے جائیں گے۔

حسینؑ مرثیہ پڑھ رہے ہیں عباسؑ مرثیہ سن رہے ہیں اور فرمایا: کربلا کی زمین! تیری تقدیر سنور گئی۔ تُو ایسی منزل میں آ گئی کہ تیرے اندر آسمان کے وہ چاند ستارے آ گئے کہ صبح قیامت تک جو جگمگاتے رہیں گے۔

۳۔ چھٹے امامؑ کا ارشاد ہے: کربلا کے سونے والوں کو زلزلہ محشر کی خبر نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ جو محشر کو زمین میں زلزلہ آئے گا وہ کربلا کو نہیں آئے گا۔ کربلا کو کیوں آئے کربلا کو تو عاشور کے دن زلزلہ آ چکا' جب سیدہؑ کا لال ذبح ہو رہا تھا' جب زینبؑ بے پردہ خیمے سے نکل رہی تھی' جب سکینہؑ کے کانوں سے گوشوارے چھینے جا رہے تھے' جب معصوم تمانچے کھا رہے تھے' جب سید سجادؑ کے نیچے سے بستر گھسیٹا جا رہا تھا' جب فاطمہؑ آ کر سر پیٹ رہی تھیں: واہ حسینؑ! واہ مظلومؑ! تو کربلا کی زمین کو زلزلہ آ گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُونَ

مجلسِ چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ
عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

عزیزانِ محترم!

اِرشادِ ربُ العزت ہے:

"یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالمین میں"۔

سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا' ہمارے اور آپ کے درمیان کل جہاں پر جا کر بات ختم ہوئی' وہ یہ تھی کہ اللہ نے آدمؑ کو پیکر بنایا اور آدمؑ کا پیکر بنا کر اس میں روح پھونک دی اور فرمایا:

فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ

"جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک لوں"۔

فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ (سورۂ حجر: آیت ۲۹)

"تو تم لوگ اس کو سجدہ کرنا"۔

سوال یہ تھا کہ اللہ کی روح کیا ہے؟ اور نورِ خدا کسے کہتے ہیں؟ معصومؑ نے اس مسئلے کو حل کر دیا اور فرمایا: وہ ہمارے انوار تھے جو پیکر آدمؑ میں داخل ہوئے اور جب وہ انوار پیکر آدمؑ میں داخل ہوئے تو آدمؑ کا پیکر اس قابل بنا کہ فرشتے اس کو سجدہ کریں۔ اللہ نے ملائکہ کو حکم دیا:

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"آدمؑ کو سجدہ کرو"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ فرشتے جو برسوں سے عبادت کر رہے ہیں اور برسوں سے اللہ کے سامنے جبین جھکا رہے تھے جب ان کے درمیان تذکرہ ہوا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰)

"میرے حبیبؐ! یاد کیجیے اس وقت کو جب اللہ نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

ذرا لفظوں پر غور کیجیے کہ قرآن خود بولتا ہے بشرطیکہ ہم لفظوں کو سمجھیں کہ قرآن کیا بولتا ہے۔ جو باتیں آپ کی پیدائش سے پہلے یا آپ کی پیدائش کے بعد ہوئیں اور آپ موجود نہیں تھے، میں بیان کرتے وقت یہ نہیں کہہ رہا کہ اس وقت کو یاد کیجیے جب ایسا ہوا تھا۔ آپ کہیے میں تھا ہی نہیں تو پھر کیا یاد کروں؟ آدمؑ کا پیکر بننے والا ہے ابھی بنا نہیں ہے، ابھی تو خدا اپنا ارادہ ظاہر کر رہا ہے کہ میں زمین پر اپنا

خلیفہ بنانے والا ہوں۔ ارشاد ہو رہا ہے:

وَ اِذْ قَالَ

"پس اس وقت کو یاد کیجیے"۔

جب اللہ نے یہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ تھے تو اللہ کہہ رہا ہے: یاد کیجیے۔

دیکھیں! میری کل کی مجلس کی تصدیق ہو رہی ہے کہ انوارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ خلقتِ آدمؑ سے پہلے تھے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اللہ نے جب فرشتوں سے کہا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

"میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

ملائکہ نے اس کے جواب میں عرض کیا: کیا ایسے کو خلیفہ بنائے گا کہ جو خون ریزی کرے گا اور فساد برپا کرے گا۔ ہم تو تیری تسبیح کرتے ہیں، ہم تو تیری عبادت کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ زمین کی خلافت کوئی ایسی شے ہے، جس کی تمنا ملائکہ کے دل میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ فرشتوں کے دل اس سے الگ نہیں ہیں۔ کہا کہ کیا ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو فساد و خون ریزی کرے گا؟

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اس وقت جواب میں فرمایا کہ جو مجھے معلوم ہے وہ تمھیں نہیں معلوم، جو میں

جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ ملائکہ خاموش ہو گئے۔ پیکر آدمؑ بنا اور بن کر تیار ہوا۔ تیار ہونے کے بعد رکھا گیا اور روح پھونکی گئی۔ جب روح پھونکی گئی تو اللہ نے حکم دیا:

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"آدمؑ کو سجدہ کرو"۔

فَسَجَدُوْٓا

"سب نے مل کر سجدہ کیا"۔

جتنے فرشتے تھے اُن کے بیچ میں آدمؑ کعبے کی طرح تھے اور چاروں طرف فرشتے حاجیوں کی طرح تھے۔

فَسَجَدُوْٓا

"پس سجدہ کیا"

اِلَّآ اِبْلِیْسَ

"سوائے ابلیس کے"

وہ ایک انسان ایک طرف بیٹھا ہوا ہے اور ملائکہ سجدے میں ہیں۔ اُس نے انکار کیا:

وَاسْتَكْبَرَ

"اس نے تکبر کیا اپنے آپ کو بڑا سمجھا"۔

وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

"اور وہ کافروں میں سے تھا"۔

معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے سجدے کی بات نہیں تھی کہ نبیؑ خدا کے سجدے کی بات تھی۔ اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو نبیؑ کو سجدہ نہ کرے وہ کافر ہو جائے خدا کو مانتے ہوئے (صلوات)۔

معبود! یہ کون سی رسم ڈال رہا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ فرشتے کر رہے ہیں سجدہ اور تیرے حکم سے کر رہے ہیں' تیرے order سے کر رہے ہیں اور ایک نہیں کر رہا ہے۔ جو نہیں کر رہا ہے اس کو کافر کا خطاب مل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف اللہ کی تعظیم کافی نہیں ہے بلکہ اللہ والوں کی تعظیم نہ کریں تو اللہ بھی بگڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَاسْتَكْبَرَ

"اس نے انکار کیا اور تکبر کیا"

وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

"اور وہ کافروں میں ہو گیا"۔

کیوں کافروں میں ہو گیا؟ آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ آدمؑ کوئی ایسی مخلوق ہیں جن کو سجدہ نہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

کل جس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور آج جو کعبے کو سجدہ کرنے سے انکار کرے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر آپ کہیں کہ میں کعبے کو سجدہ

نہیں کروں گا تو آپ مسلمان نہیں رہیں گے اور کفر میں چلے جائیں گے۔ اگر پیشانیاں آدمؑ کی طرف یا کعبے کی طرف نہ ہوں تو ایمان سلامت نہیں رہے گا اور اگر دل محمدؐ و آلِ محمدؐ سے پھر جائے تو کیا ایمان سلامت رہ جائے گا؟

مزاجِ مشیت برہم ہوا اور فرمایا: جب میں نے کہا تھا تو تجھے کس چیز نے روکا سجدہ کرنے سے اور کیوں سجدہ نہ کیا؟ میں نے حکم دیا اور تُو نے سجدہ نہیں کیا تو

شیطان نے کہا:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ

"میں اس سے بہتر ہوں"۔

شیطان کہتا ہے:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ

"میں اس سے بہتر ہوں"۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (سورۂ صٓ، آیت ۷۶)

"تُو نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے"۔

آگ مٹی سے افضل ہے اس لیے میں اس سے افضل ہوں اس کو سجدہ کیوں کروں؟

بس یہیں سے مسئلہ طے ہو گیا کہ جو material دیکھے وہ ابلیسی نظر اور جو نسبت دیکھے وہ ملکی نظر۔

کہا:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ

''بہتر ہوں اس سے۔ تُو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اسے

مٹی سے بنایا ہے میں کیوں کروں سجدہ؟''

معلوم ہوا کہ یہ نہ دیکھیے کہ بنا کیسے ہے بلکہ یہ دیکھیے کہ نسبت کدھر ہے۔ جو لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں تو ہم اُن سے کہتے ہیں کہ مسجد بھی تو اینٹ گارے سے بنی ہے مگر احترام کیوں ہے؟ کعبہ بھی تو پتھر سے بنا ہے مگر احترام کیوں ہے؟ کعبہ پتھروں سے بنا مگر قابل احترام ہے؟ مسجد اینٹ گارے سے بنی مگر قابل احترام ہے تو پھر تعزیے اگر کاغذ سے بنے ہیں تو قابل احترام کیوں نہ ہوئے (نعرۂ حیدری)۔

تُو نے مجھ کو آگ سے بنایا اس کو مٹی سے بنایا ہے اور جیسے ہی اس نے یہ کہا تو مزاجِ مشیت اور برہم ہوا اور فرمایا: نکل جا' نکل جا! تُو مردود ہو گیا۔

وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (سورۂ ص: آیت ۷۸)

''اور تیرے اُوپر قیامت تک کے لیے پھٹکار رہے''۔

معبُودا! قیامت تک کے لیے پھٹکار کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: آدمؑ سے انکار کیا ہے نا! جب تک زمین پر سلسلۂ ہدایت رہے گا تب تک شیطان پر پھٹکار جاری رہے گی۔

وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

''اور تم پر پھٹکار قیامت تک''۔

اس کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ یہیں سے مسئلہ سمجھ لیجیے شیطان کا! اکثر و

بیشتر بچے ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ شیطان کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو شیطان نے بہکایا' اُس کو بھی شیطان نے بہکایا' لکھنؤ میں بھی شیطان نے بہکایا' بمبئی میں بھی شیطان نے بہکایا' بنگلور میں بھی شیطان نے بہکایا اور امریکہ میں بھی شیطان۔ یہ ایک شیطان پوری دنیا میں کہاں کہاں گھوم رہا ہے؟ میاں شیطان! بچے اس کو کان میں اچھی طرح سے ڈال لیں۔ شیطان proper noun نہیں ہے' شیطان صفت ہے۔ proper noun تھا اس کا ابلیس۔ اس کا اصلی نام جو تھا وہ ابلیس تھا' شیطان صفت ہے۔ شیطان عربی میں کہتے ہیں اس کو' جو دور کر دیا گیا ہو' چوں کہ وہ رحمتِ خدا سے دور کر دیا گیا ہے' چوں کہ وہ جنت سے دور کر دیا گیا' چوں کہ وہ مقاماتِ عالیہ سے دور کر دیا گیا' لہٰذا اس کو شیطان کہا گیا۔

شیطان کا میں آپ کو اُردو میں ترجمہ کر کے بتاؤں تو آپ کی سمجھ میں آئے گا شیطان۔ جیسے چور' چور کسی کا نام نہیں ہے۔ لکھنؤ میں بھی چور ہے' بمبئی میں بھی چور ہے' کلکتہ میں بھی چور ہے' دہلی میں بھی چور ہے۔ ایک رات میں چور کہاں کہاں گیا چوری کرنے؟! یہ ایک چور تھوڑی تھا' جو چوری کرے۔ وہ چور جس نے لکھنؤ میں چوری کی' وہ لکھنؤ میں چور۔ جس نے بمبئی میں چوری کی' وہ بمبئی میں چور۔ جس نے کلکتہ میں چوری کی' وہ کلکتہ میں چور۔ معلوم ہوا کہ چوری صفت ہے اور چوری کرنے والا چور کہلاتا ہے۔ اسی طریقے سے جو ایسی حرکت کرے' جو اللہ کو مانے اور اللہ والوں کو نہ مانے وہ...... (نعرۂ حیدری)۔

وہ چور۔ فرمایا:

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ

''چور نکل جا''

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

''اور تیرے اُوپر قیامت تک کے لیے میری لعنت ہے''۔

جب نکلنے لگا تو کہنے لگا:

رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

''مجھ کو قیامت تک کی مہلت دے دے''۔

یہ کیسا ہے کہ خدا کو بھی مان رہا ہے اور یہ بھی مان رہا ہے کہ خدا نے بنایا ہے۔ یہ بھی مان رہا ہے کہ قیامت آئے گی۔ سب کچھ مانتا ہے پھر بھی بیچارا کافر ہے۔ شیطان نے کہا: مجھے وقت معلوم تک کی مہلت دے دے۔

ارشاد ہوا: جا تجھے وقتِ معلوم تک کی مہلت دی۔

پڑھیے قرآن میرے کہنے پر نہ یقین کیجیے' وہ کہتا ہے کہ مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے اور اللہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے وقت معلوم تک کی مہلت دی۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزر چکے اور ابھی تک شیطان active ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مہلت ابھی تک تمام نہیں ہوئی۔

غور کیجیے گا! ذرا سمجھ داری سے کام لیجیے گا!

مطلب یہ ہے کہ قیامت آنے سے پہلے اور شیطان کی مہلت ختم ہونے سے پہلے ایک ٹائم معین ہے اور وقت معلوم تک کی مہلت شیطان کو ملی ہے۔ اس

کے بعد ایک دور ایسا ہو گا وقت معلوم کے بعد کہ جب شیطان کی activities ختم ہو جائیں گی۔ اب سمجھے آپ! جو کہتے ہیں کہ آنے والا آئے گا اور دین کا پرچم بلند کرے گا (نعرۂ حیدری)۔

اس کا مطلب یہ کہ کوئی وقتِ معلوم ہے جو کسی کو نہیں معلوم مگر خدا کو معلوم ہے کہ اس نے اس وقت تک کی مہلت دی اور اس کے بعد اس کی مہلت ختم کر دی جائے گی۔ کیا یہ وہی وقت تو نہیں ہے کہ جب آخری امامؑ پردہ اُٹھائے گا۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دین خدا ہو گا' ساری خدائی دین خدا سے جگمگا رہی ہو گی' عدل کی حکومت قائم ہو گی اور ظلم مٹ جائے گا۔

عزیزانِ گرامی!

ہم بھی اسی سہارے پر بیٹھے ہیں اور آپ بھی اسی سہارے پر بیٹھے ہیں۔ جس کا جی چاہے ہنس لے' جس کا جی چاہے مسخرہ پن کرے اور جس کا جی چاہے جملے ہم پر کس لے کہ ہیں ہیں امامؑ آئیں گے یا کہیں کہ نہیں آئیں گے۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی تو کہہ رہے ہیں کہ نہیں آئیں گے۔ نہ کوئی آپ کے ہاں آئے گا اور نہ ہمارے ہاں کوئی آئے گا۔ قصہ ختم ہوا ہم اور آپ برابر ہیں پھر پریشانی کاہے کی ہے؟

کتنے برس ہو گئے؟ سو برس ہو گئے ہمارے امامؑ ابھی تک زندہ ہیں؟ بارہ سو برس سے زندہ ہیں۔ آپ کو بڑی پریشانی ہے۔ پچھلے سال بھی آپ زندہ تھے اور اس سال بھی آپ زندہ ہیں۔ کس تھیوری کے تحت زندہ ہیں بتائیے؟ کہتے ہیں: اللہ نے زندہ رکھا ہے اس لیے زندہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ زندہ رکھتا ہے اللہ۔ وہ لوگ

امامؑ کی زندگی پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ خدا پر اعتراض کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔

پوچھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوتی ہے۔ ہم نے کہا: ہاں! ہوتی ہے۔ الحمدللہ! خط و کتابت ہوتی ہے۔

اچھا! آپ سے خط و کتابت بھی ہوتی ہے؟

ہم نے کہا: ہاں۔

جواب آتا ہے؟

ہم نے کہا: ہاں! جواب بھی آتا ہے۔

جس کا کوئی کہیں ہوتا ہے وہی خط لکھتا ہے۔ بمبئی سے وہی لوگ لکھنؤ خط لکھتے ہیں جن کے لکھنؤ میں عزیز ہوتے ہیں۔ جن کا کوئی لکھنؤ میں نہیں ہے وہ لکھنؤ میں کس کو خط لکھیں گے؟ میں سمجھتا ہوں کہ سب نے اپنے اپنے عزیزوں کو خط لکھا ہوگا جس کا جواب آیا' وہ آج تک لکھتا ہے اور جس کا نہیں آیا وہ نہیں لکھتا۔ پوچھتے ہیں کہ ابھی تک زندہ کیسے ہیں؟ ہم نے کہا: قدرتِ خدا ہے کہ زندہ ہیں۔ اس لیے کہ گیارہ ظاہر ہوئے تھے تو تم نے سب کو شہید کر ڈالا اور بارہویں کو اللہ نے چھپا لیا کہ اب تم مرتے ہو' جب تمہارا آخری مر جائے گا تو تب آئیں گے (نعرۂ حیدری)۔

خط میں کیا لکھتے ہیں؟ اور جواب کیا آتا ہے؟ دیکھیے! خط دو طرح کے لکھے جاتے ہیں۔ ایک خط لکھا جاتا ہے خیریت کا کہ اپنی خیریت لکھیے' ہمیں آپ کی خیریت چاہیے۔ آج کل خطوں کا زمانہ ختم ہوا' ٹیلی فون چلتا ہے لیکن بہرحال ہوتا

ہے ارے! بہت دنوں سے خیریت معلوم نہیں ہوئی خیریت بتایئے۔ ایک......

دوسرا یہ ہے کہ میں ایک خط لکھنؤ میں لکھوں کہ دوا بمبئی میں نہیں مل رہی لہٰذا بھیج دیجیے۔ آپ نے اُٹھا کر بھیج دی۔ اگر وہ دوا آ گئی تو خط کا جواب آ گیا۔ ہم نے وہاں سے لفافے میں خط لکھ کر بھیجا کہ فلاں دوا بھیج دیجیے اور وہاں سے ایک پارسل آ گیا جس میں ایک پیکٹ تھا اور وہ دوا تھی۔ جواب آیا کہ نہیں آیا۔

ہم امامؑ کو خیریت کے خط لکھتے ہی نہیں اور ان سے پوچھتے ہی نہیں کہ آپؑ خیریت سے ہیں' اس لیے کہ چمکتا ہوا چاند بتاتا ہے کہ امامؑ خیریت سے ہیں۔ جگمگاتے ہوئے ستارے اور چلتی ہوئی ہوائیں بتاتی ہیں کہ امامؑ خیریت سے ہیں۔ زمین ٹھہری ہوئی بتاتی ہے کہ امامؑ خیریت سے ہیں۔

اب مرادوں کے سلسلے میں لکھا جاتا ہے کہ یہ کر دیجیے' وہ کر دیجیے۔ اِدھر سے عریضوں کی شکل میں جاتا ہے تو اُدھر سے تکمیل تمنا کی شکل میں جواب آتا ہے۔ ہم کیسے کہہ دیں کہ جواب نہیں آتا؟

اُنھوں نے کہا: اچھا! دریا میں ڈال دیتے ہیں جا کر؟

ہم نے کہا: ہاں۔

اُنھوں نے کہا: پانی تو تحلیل کا دشمن ہوتا ہے۔

ہم نے کہا: ہوتا ہے مگر وہ صاحب آیۂ تطہیر ہیں لہٰذا ہم ڈال دیتے ہیں۔

پھر پوچھتے ہیں: اچھا! پہنچ جاتا ہے؟

ہم نے کہا: جوشِ اختلاف میں مذہب بھی بھول گئے ہو' موسیٰؑ کی ماں سے

پوچھو کہ جس نے اسے پانی میں ڈالا تھا(نعرۂ حیدری)۔

مشرق سے مغرب تک ایک ہی دین ہوگا اور وہ سلسلۂ ہدایت جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا' اس زمین پر اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کڑی جب آئے گی تو اس وقت شیطان کا سارا زور جو ہے وہ ختم ہو جائے گا اور اس کی مہلت تمام ہو جائے گی۔ اب اس کی موت آ جائے' قید ہو جائے یا جو کچھ بھی ہو۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ تمھیں وقتِ معلوم تک کی مہلت دی۔ اس کے بعد اس کی مہلت ختم۔ اب یہ عقیدہ کہاں تک صحیح ہے آپ کا ذاتی عقیدہ ہے۔

ارے بھئی! اپنے اپنے عقیدے کی بات ہے جو مان لے جس کو میں تو اپنے بچوں سے مخاطب ہوں دوسروں سے نہیں کہ عقیدۂ غیبت کو کلیجے سے لگائے رکھیے گا۔ اگرچہ بالکل غلط بھی ہو اور بالکل bogus بھی ہو اور بالکل ناقابل اعتبار بھی ہو' جب بھی یہ عقیدہ دل سے نکلنے والا نہیں ہے۔ کیوں؟

اس کی وجہ ہے اس کی مثال سنیے!

اندھیری رات ہے' طوفان آیا ہوا ہے' جنگل قیامت خیز ہے اور اتنا اندھیرا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا۔ آندھی چل رہی ہے' درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں' جنگلی درندوں کا شور کانوں کو پھاڑے جا رہا ہے' ایک طرف سمندر موجیں مار رہا ہے اور اس کی طغیانی بڑی غضب ناک ہے۔ ایسے عالم میں ایک آدمی جنگل میں کھڑا ہے جس کو نہ کوئی اُمید ہے' نہ آسرا ہے اور نہ سہارا ہے۔ یہی حالت اس وقت ملتِ مسلمہ کی ہے۔

اگر آپ اخبار پڑھتے ہیں' ٹی وی دیکھتے ہیں اور آپ کو حالات کا اندازہ ہے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس وقت مسلم اُمت اس مسئلے میں ہے کہ ہر طرف سے مخالفت کا سیلاب ہے' ہر طرف طوفان ہے' ہر طرف پریشانیاں ہیں' اندھیرا ہے' ظلمت ہے' تاریکی ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ کیا کریں کدھر جائیں؟ اور کس کو رہنما بنائیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

اس سے سو گز کے فاصلے پر same اسی حالت میں ایک دوسرا آدمی کھڑا ہے' وہی رات ہے' وہی ہنگامہ ہے' وہی سمندر کا شور ہے' وہی درندوں کا غل ہے' وہی درختوں کے ڈالے ٹوٹ کر گر رہے ہیں اور وہی آندھی کا شور ہے مگر بہت دور اس کو ایک چراغ کی روشنی دکھائی دے رہی ہے کہ ایک چراغ روشن ہے اور وہ اس روشنی کے سہارے بڑھ رہا ہے کہ شاید میں وہاں پہنچ جاؤں۔

وہ چراغ کے سہارے آگے بڑھ رہا ہے۔ اب نہیں معلوم کہ راستے میں اس کو کوئی درندہ کھا جائے گا' کوئی درخت کا ڈالا ٹوٹ کر اس پر گر پڑے گا اور وہ مر جائے گا یا سمندر کی کوئی لہر آ کر اس کو لے جائے گی یا وہ پہنچ پائے گا۔ یہ کچھ طے نہیں ہے لیکن اس چراغ کے سہارے وہ آہستہ آہستہ اپنے قدم تو بڑھا رہا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جو اُمتِ مسلمہ کا حال ہے وہی اس وقت ہمارا حال ہے لیکن ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کو مستقبل میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے لیکن ہمارے پاس ایک چراغ غیبت تو ہے (نعرۂ حیدری...... صلوٰۃ)

ہمارے پاس ایک چراغِ غیبت تو ہے جس کے سہارے ہم قدم بڑھا رہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں اور ان آفتوں سے بچ جائیں۔

لہٰذا میرے دوستو!

عقیدے کی یہ منزل کہ فَاخرُج "نکل جا" تُو رجیم ہوگیا' تُو مردودِ بارگاہ ہوگیا۔

شیطان نے کہا: مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے۔

ارشاد ہوا: جا تجھے وقتِ معلوم تک کی مہلت دے دی۔

وہاں سے وہ غصے کی حالت میں نکلا اکڑتا ہوا اور کہا: داہنے سے آ کر بہکاؤں گا' بائیں سے آ کر بہکاؤں گا' سامنے سے آ کر بہکاؤں گا اور پیچھے سے آ کر بہکاؤں گا۔ تیری عزت کی قسم! سب کو بہکاؤں گا' سب کو بہکاؤں گا۔

فرشتوں میں اضطراب پیدا ہوا تو قدرت نے فرمایا: گھبراؤ نہیں جو ہاتھ اُٹھا دے گا دعا کے لیے' اُسے بخش دوں گا اور جو سجدے میں سر جھکا دے گا' اُسے بھی بخش دوں گا (نعرۂ حیدری)۔

پھر وہاں سے نکلا اکڑتا بھڑتا ہوا اور اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ جہاں پر حضرت آدمؑ خلد سے زمین پر تشریف لائے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ جملہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ مناسب نہیں ہے جو اکثر لوگ کہتے ہیں۔ بعض شاعروں نے اسے نظم بھی کیا ہے کہ آدمؑ جنت سے نکالے گئے۔ آپ قرآن پر غور نہیں کرتے اور جذباتی ہو کر اسرائیلیات پر عمل کرنے لگے۔ یہ یہودیوں کی گھڑی

ہوئی روایتیں ہیں ان پر اعتبار نہ کیجیے۔ جنھوں نے دامنِ اہل بیتؑ چھوڑ دیا' اُن کے پاس کوئی علم حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں تھا' اُنھوں نے یہودیوں سے علم حاصل کیا اور جو کچھ یہودیوں نے اُنھیں دیا وہ یہ ہے:

آپ کی ایک بہت بڑی فرم ہے' بہت بڑی فرم ہے انٹرنیشنل۔ آپ نے ایک آدمی کا نام لے کر کہا کہ میں ان کو نیویارک فرم کا جنرل منیجر بنانے والا ہوں۔ بمبئی میں وہ آپ کی فرم میں کام کرتے تھے۔ آپ نے کہا: میں ان کو نیویارک فرم کا جنرل منیجر بنانے والا ہوں اور مہینہ بھر کے بعد نیویارک کے لیے بھیج دیا۔ جنرل منیجر کی حیثیت سے وہ نیویارک چلے گئے۔ کیا وہ نکالے گئے یا appoint کیے گئے؟

ارے بھیا! کچھ عقل سے کام لیجیے! نکالے گئے یا appoint کیے گئے اور اسی پوسٹ پر گئے جنرل منیجر کی اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو آدمؑ جنت میں کیا کرتے؟ نکالے نہیں گئے بلکہ زمین پر ان کا appointment ہوا خلد سے اور اسی پوسٹ کا نام "خَلِیفَةُ اللّٰهِ بِالاَرض" ہے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ سوچنا کہ آدمؑ نکالے گئے' غلط بات ہے۔ اب اس کے بعد اللہ نے اس دنیا میں نسلِ آدمؑ کو پھیلایا اور نسلِ آدمؑ میں آدمی پیدا ہونا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے آدمؑ کے دو بیٹے ہوئے: ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا نام ہابیلؑ تھا۔ قابیل و ہابیلؑ آدمؑ کے دو بیٹے۔ ایک آدمؑ اور دوسری آدمؑ کی زوجہ حواؑ۔ دنیا

کی کل آبادی چار آدمیوں پر۔ آدمؑ، حواؑ، قابیل اور ہابیلؑ۔ شیطان نے نبی کے گھر میں گھس کر حملہ کیا اور قابیل کو اپنے trap میں لے لیا اور قابیل کو سمجھایا کہ تم میں اور ہابیلؑ میں کون اللہ کو زیادہ پیارا ہے؟

اس شیطان کی ترکیبیں سمجھیے گا! شیطان کفر کے نام پر نہیں بہکاتا بلکہ وہ اللہ کے نام پر بہکاتا ہے۔ کہا: کون زیادہ پیارا ہے اللہ کو؟

انھوں نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ کون زیادہ پیارا ہے۔

کہا: نہیں! ایسا کرو کہ قربانی رکھو' جس کی قربانی قبول ہو جائے وہ پیارا ہے اور جس کی قربانی رد ہو جائے وہ پیارا نہیں ہے۔

قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا' اس نے سوکھی سوکھی' خراب خراب بالیاں لے کر اللہ کی راہ میں رکھیں اور ہابیلؑ نے دُنبے پالے ہوئے تھے' انھوں نے موٹا تازہ دُنبہ لے کر اس کو اللہ کی راہ میں رکھ دیا۔

اس زمانے میں رواج یہ تھا کہ رات کو بجلی گرتی تھی جو جل جائے وہ قربانی قبول اور جو رکھی رہ جائے وہ قبول نہیں ہوئی۔ سویرے دیکھا تو قابیل کے گیہوں کے دانے ویسے ہی رکھے ہوئے تھے اور ہابیلؑ کا دُنبہ جل گیا تھا۔

جب قابیل نے یہ منظر دیکھا تو اسے غصہ آ گیا اور آگ بگولہ ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلحہ ایجاد نہیں ہوا تھا' جب تلوار نہیں بنی تھی' یہ old stone age کا زمانہ تھا۔ اس کو جو زیادہ غصہ آیا تو اس نے ایک بڑا سا پتھر لے کر ہابیلؑ کے سر پر مار دیا۔ جس سے ہابیلؑ کا سر پاش پاش ہو گیا اور موت واقع ہو گئی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب ہابیلؑ شہید ہوئے تو آدمؑ کو ہابیلؑ کا بہت غم ہوا اور قابیل سے بڑی نفرت ہوئی۔ چنانچہ! حضرت آدمؑ قبر ہابیلؑ پر آئے اور آ کر روتے رہے اور جب قبر سے اُٹھے تو قابیل پر لعنت کرتے ہوئے اُٹھے۔ معلوم ہوا کہ سمجھ دار باپ نے اپنی زندگی میں میراث بانٹ دی کہ قاتل کے حصّے میں کیا آئے گا اور مقتول کے حصّے میں کیا آئے گا؟

تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا میں یہ پہلا قتل تھا اور روئے زمین پر یہ پہلا خون تھا جو بہا۔ اس میں نہ کوئی سیاست تھی' نہ کوئی political environment تھا' نہ اس میں صحبت تھی اور نہ ماحول کی خرابی کا اثر تھا۔ اس لیے کہ اس طرح کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ نہ سیاسی پارٹیاں تھیں کہ یہ political murder تھا' نہ صحبت کی خرابی تھی کہ لڑکے خراب مل گئے تھے' انھوں نے بگاڑ دیا تھا' کچھ نہیں تھا لیکن یہ قتل ہوا۔

اس قتل سے فرد واحد قتل کو سمجھیے کیا ہے؟ یہ دنیا کا پہلا قتل ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ نہ جانے کتنے ہزار برس ہو گئے قرآن بھی قابیل کو برا کہہ رہا ہے اور ہم بھی قابیل کو برا کہہ رہے ہیں۔ تقریروں میں اور مجلسوں میں قابیل کو برا کہا جا رہا ہے بلکہ ہر جگہ برا کہا جا رہا ہے۔ آج تک کسی نے پلٹ کر بھی نہ کہا کہ ہم کون ہوتے ہیں اس کو برا کہنے والے ممکن ہے خدا اُس کو بخش دے۔

کیوں صاحب؟!

دنیا کا پہلا جرم ہوا اس کے لیے تو کبھی آپ نے نہیں کہا کہ ممکن ہے خدا نے اسے بخش دیا ہو اور یزید کے لیے کہتے ہیں کہ ممکن ہے خدا اُسے بخش

دے (حسینیت زندہ باد..... یزیدیت مردہ باد..... نعرۂ حیدری)۔

کیوں صاحب!

کسی نے کیوں نہیں کہا کہ پہلا جرم ہے دنیا کا' معاف کردے اللہ۔ غلطی تھی' ہو گئی۔ کوئی نہیں کہتا کہ معاف کرے گا اللہ تو قابیل کی طرف سے کہنے والا کوئی نہیں ہے۔ یزید کی طرف سے لڑنے والے بہت ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کیا معاملہ ہے؟ جو اکیلا ہوتا ہے اس کی کوئی پیروی بھی نہیں کرتا اور جس کا پورا خاندان ہوتا ہے اس کے ساتھ بہت ہوتے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ دنیا کا پہلا قتل ہوا ہے اس سے اس عظیم قتل کو سمجھیے جو کربلا میں ہوا اس کو پہچانیے گا کہ کیا ہے؟ اصل میں غصہ آیا تھا قابیل کو اللہ پر' اگر اُسے اللہ مل جاتا تو اپنے بھائی کے سر پر وہ پتھر نہ مارتا۔ اللہ اسے ملا نہیں' جب اللہ ملا نہیں تو اللہ والے کے سر پر پتھر مارا۔

معلوم ہوا کہ اُصول طے یہ ہو گیا' جس سے مخالفت ہوتی ہے اگر وہ نہ ملے تو اس کے وارث سے انتقام لیا جاتا ہے۔ اب وہ مشرکین اور کفار اگر اللہ کو زیر کر لیتے تو رسولؐ اللہ سے نہ بولتے۔ رسولؐ اللہ کہہ رہے تھے:

قُولُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو نجات پا جاؤ۔

اگر وہ ٹھیک ہوتے تو رسولؐ اللہ سے نہ بولتے۔ وہ اللہ سے کچھ بنا نہ سکے تو رسولؐ سے لڑنے آئے۔ اگر رسولؐ کو مار ڈالتے تو علیؑ سے کوئی دشمنی نہ ہوتی۔

جب رسولؐ کو مارنے آئے تو وہاں علیؑ بیچ میں کھڑے ہوئے ملے اور جو رسولؐ کے قتل کی نیت سے بڑھا علیؑ نے اس کو زیر کر دیا۔ اس لیے علیؑ کے دشمن ہو گئے۔ اگر علیؑ کو زیر کر لیتے تو حسینؑ سے نہ لڑتے۔ علیؑ کو زیر نہیں کر پائے اس لیے حسینؑ سے لڑے۔ اگر نامِ حسینؑ مٹا سکتے اور مٹا لیتے تو ہم سے جھگڑا نہ کرتے (نعرۂ حیدری)۔

اب یوں سمجھ لیجیے کہ شمع لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ روشن ہے۔ شمع لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے گرد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا حصار ہے کہ کوئی شمع لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے گرد پہنچ نہ سکے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے گرد عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰه کا حصار ہے۔ کوئی رسولؐ اللہ تک جا نہ سکے۔ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰه کے گرد یا حسینؑ کا حصار ہے کہ کوئی علیؑ تک جا نہ سکے اور یا حسینؑ کے گرد ہمارے آنسوؤں کی نہر بہہ رہی ہے۔ پہلے اس نہر کو تو پار کر لو پھر آگے جانا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

اب اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم قابیل کی نسل سے ہیں یا ہابیلؑ کی نسل سے ہیں؟ یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہم لوگ نہ قابیل کی نسل سے ہیں اور نہ ہابیلؑ کی نسل سے ہیں۔ نہ ہابیلؑ کی نسل چلی اور نہ قابیل کی نسل چلی۔ اولادیں نہ ہابیلؑ کی ہوئیں اور نہ قابیل کی۔ حضرت آدمؑ کے اور بیٹے ہوئے ان سے ہماری نسل ہے۔ لیکن اگر یہی ضد ہے اگر یہی ضد ہے کہ ضرور بتائیں کہ ہابیلؑ یا قابیل کی نسل میں سے ہم کس سے ہیں؟

بھیا! سیدھا سا جواب یہی ہے کہ جو شہید کا ساتھ دے وہ ہابیلؑ کی نسل سے اور جو قاتل کا ساتھ دے وہ قابیل کی نسل سے ہے۔

حضرت آدمؑ نے ہدایت کی اور حضرت آدمؑ نے انسان کو انسان بنایا۔ حضرت آدمؑ نے وہ تمام خدمات سرانجام دیں جو اللہ کی مرضی کے مطابق تھیں اور انسانوں کو سہارا دیا۔ ابھی کل انشاء اللہ ذکر آگے بڑھے گا۔ آج کا وقت تمام ہوا اور میں آپ کو سناؤں گا کل حضرت نوحؑ کے بارے میں۔ اس لیے کہ میری آیت کے ذیل میں یہ سب چیزیں آتی ہیں۔ لہٰذا کل میں حضرت نوحؑ کے متعلق عرض کروں گا۔ آج تو مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ داغِ اولاد وہ شئے ہے جو آدمؑ نے بھی اُٹھایا ہے۔ یہ بہت بڑا داغ ہے جس کا نام داغِ اولاد ہے۔

ذکرِ مصائب: طفلانِ مسلمؑ اور سفیرِ حسینؑ کی تنہائی

عزیزانِ گرامی!

ہماری جانیں قربان ہوں ان پر جو اپنا پورا کنبہ لے کر کربلا میں آئے۔ محرم کی تاریخیں گزر رہی ہیں۔ ایامِ عزا آگے بڑھ رہے ہیں۔ ذکرِ حسینؑ میں ہم لوگ مشغول ہیں اور لگاتار عزاداری کر رہے ہیں۔ آج محرم کی تیسری رات آ رہی ہے۔

مجھ سے میرے ایک دوست نے فرمائش کی کہ آپ طفلانِ مسلمؑ کے لیے پڑھو۔

کس قدر دردناک، کس قدر پُرسوز واقعہ ہے۔ مسلمؑ کے چار بیٹے تھے، ان میں دو جوان تھے اور جو جوان تھے، وہ امام عالی مقامؑ کے ساتھ تھے۔ دو بچے تھے

اور جو دو بچے تھے وہ اپنے باپ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ جب کوفے کی ہوا بدلی اور اہلِ کوفہ حضرت مسلمؑ سے منحرف ہوئے تو بچے اپنے باپ سے جدا ہو گئے اور بچے اپنے باپ کے ساتھ نہ رہ سکے۔ اسی عالم میں وہ وقت بھی آیا کہ دنیا حضرت مسلمؑ کے خلاف ہو گئی اور حضرت مسلمؑ کوفے میں...... میں یہ کہوں گا کہ لاکھوں سلام ہوں حضرت مسلمؑ پر جو حسینؑ ابن علیؑ کے سفیر تھے اور اس سفیرِ حسینؑ نے اپنے امامؑ کا نام اس طرح روشن کیا کہ کربلا والے تو میدان میں لڑے اور لاکھوں سے لڑے اس میں کوئی شک نہیں مگر میدان میں لڑے۔ مگر مسلمؑ کو لڑنے کے لیے میدان نہ ملا' بلکہ کوفے کی گلیوں میں تنہا لڑے۔

حسینؑ بڑے مظلوم اور ان کی تنہائی کے لیے جتنا بھی رویا جائے اتنا ہی کم ہے۔ مگر رُخصت ہوتے وقت حسینؑ کو وصیتیں کرنے کے لیے ان کا بیٹا مل گیا اور آپ برابر مجالس میں سنا کرتے ہیں کہ رُخصتِ آخر کے وقت آپؑ حضرت سید سجادؑ کے پاس آئے اور آ کر وصیتیں کیں۔ لیکن! مسلمؑ وہ غریب ہیں جنھیں وصیت کرنے کے لیے کوئی نہیں ملا اور اُنھوں نے مجبوراً عمر سعد کو وصیتیں کیں اور عمر سعد لعین تھا۔ کربلا میں بے شک بہت بڑے مظالم ہوئے مگر بہتر (۷۲) تھے جب کہ مسلمؑ کوفے میں اکیلے تھے۔

آٹھویں ذوالحجہ کا دن گزر کرنے والا ہے اور شام قریب ہے۔ عصر کا وقت ہے اور ایک مسافر کوفے کی گلیوں میں چل رہا ہے۔ کرفیو آرڈر لگا ہوا ہے۔ بالکل

ایسا لگتا ہے جیسے سنسان ہیں گلیاں اور انسانی وجود نہیں۔ ایک بہت بڑھیا عورت ایک دروازے پر بیٹھی ہے' مسافر پیاسا بھی ہے۔ عورت کو بیٹھا دیکھ کر اس کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور فرمایا: خدارا! تھوڑا سا پانی پلا سکتی ہیں؟

عرض کیا: ہاں۔

وہ پانی لے کر آئی۔ مسافر نے پانی پیا اور پانی لے کر سر جھکائے یوں ہی بیٹھا رہا۔ بوڑھی عورت بڑی مادرانہ شفقت سے کہتی ہے کہ آپؑ اپنے گھر جائیے آپؑ کے بال بچے انتظار کر رہے ہوں گے' زمانہ پُرآشوب ہے اور آپؑ یہاں بیٹھے ہیں۔

مسافر جواب دیتا ہے: جس کا کوئی گھر نہ ہو' وہ کہاں جائے؟

بڑھیا سوال کرتی ہے: آپؑ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

فرمایا: مدینہ کا رہنے والا ہوں۔

پوچھا: اچھا! مدینہ! کہا: ہاں!

پوچھا: کس قبیلے سے ہیں آپؑ؟

فرمایا: بنی ہاشمؑ سے۔

اچھا! مسلمؑ بن عقیلؑ۔ بڑھیا دماغ پر زور دیتی ہے' مسلمؑ بن عقیلؑ' عقیلؑ عقیلؑ۔ یہ وہی عقیلؑ تو نہیں جو علیؑ کے بھائی تھے۔

فرمایا: وہی عقیلؑ۔

بڑھیا ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ مجھے معاف کیجیے گا میں پہچان نہیں سکی' میرا فقیر خانہ حاضر ہے' آیئے۔ لے گئی اپنے گھر میں اور کھانا لائی۔ غیرتِ ہاشمی نے پانی تو مانگ لیا تھا مگر کھانا نہیں کھایا۔ رات بھر عبادت میں گزری۔ سویرے اٹھ کر چلا۔ بڑھیا ہاتھ جوڑتی رہی......

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ

عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

عزیزانِ محترم!

ارشادِ اقدسِ الٰہی ہے:

"یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی آلؑ اور عمرانؑ کی آلؑ کو تمام عالمین میں"۔

ہمارا سلسلۂ کلام آپ کے ذہن میں ہوگا۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کل حضرت آدم علیہ السلام کی گفتگو تھی اور آج کے لیے وعدہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بھی کچھ عرض کروں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے بہت بڑے نبی اور پیغمبر ہیں، جن کے نام پر سورۂ نوحؑ قرآن میں موجود ہے۔ آپؑ بہت مرتبے اور بڑی شان والے تھے۔ اللہ نے آپؑ کو انسانوں کی ہدایت کے واسطے بھیجا اور نہ صرف یہ کہ ہدایت کی خاطر بھیجا بلکہ سوں عمر بھی دے کر بھیجا۔

آپؑ کی عمر کافی زیادہ ہوئی، لیکن مخالفت کرنے والے اور کفر اختیار کرنے

والے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغات سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے کفر اور شرک پر باقی رہے۔ جب کوئی صورت کام یابی کی نہ نکلی اور کوئی شکل ایسی نہ ہوئی کہ نوحؑ کو کام یابی ملے تو نوحؑ نے اُمت کے لیے بددعا کی اور عرض کیا: پالنے والے! یہ میرے پیغام کو سننے کو تیار نہیں ہیں اور تیری بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اب ان پر عذاب نازل فرما دے۔

دیکھیے عزیزانِ گرامی!

ایک بات غور طلب ہے کہ پانچ نبی بہت بڑے گزرے، جو اولوالعزم نبی کہلائے۔ اُن میں پہلے حضرت نوحؑ ہیں، دوسرے حضرت ابراہیمؑ ہیں، تیسرے حضرت موسیٰؑ ہیں، چوتھے حضرت عیسیٰؑ ہیں اور پانچویں ہمارے حضورِ اکرم ہیں۔

یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سب سے بڑے، سب کے سردار اور اولوالعزم نبی کہلاتے ہیں۔ اب ہمارا عقیدہ یہ ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے حضورؐ ان چاروں میں بھی سب سے بڑے ہیں۔ یعنی یہ چار جو ہیں یہ مرتبے میں ہمارے رسولؐ سے کم ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ آپ اپنے منھ سے کہتے ہیں، کیا آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے اس کی کہ جس سے آپ یہ ثابت کرسکیں کہ آپ کے رسولؐ جو ہیں وہ ان چار رسولوں سے بڑے ہیں؟ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ چلتے چلتے وہ دلیل سنا دوں، جس دلیل سے ہم ان کو بڑا مانتے ہیں۔

دیکھیے!

نبی کا کام کیا ہے؟ نبی کا کام ہے ہدایت کرنا' صراطِ مستقیم بتانا' لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور انسان کو انسان بنانا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی پوری کوشش کی اور ساڑھے نو سو برس کوشش کی لیکن جب انسان انسان نہ بنے اور صراطِ مستقیم پر نہ آئے اور گم راہی اور ذلالت کا طوفان اُٹھتا رہا تو حضرت نوحؑ نے بددعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کیا: پالنے والے! اب اس اُمت پر عذاب نازل فرما دے۔ جب حضرت نوحؑ نے عذاب کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اللہ نے عذاب نازل کیا۔

یہ حضرت نوحؑ تھے' جنھوں نے ایک مدت تک ہدایت کی اور جب ہدایت کرتے کرتے تھک گئے تو بڑی طاقت سے interference کی مزاحمت کی اپیل کی کہ معبود! میں اپنی کوشش کر چکا اب تُو عذاب نازل کر کے ان کو سمجھا۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ وہ تھے' جن کو جبرئیلؑ کی موجودگی میں آگ میں ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جبرئیلؑ سے تو مدد نہیں مانگی اور جبرئیلؑ کی طرف رُخ نہیں کیا مگر جس سے مدد مانگی' اس نے مدد کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُس سے لَو لگائی تو اُس نے آگ کو حکم دیا:

يٰنَارُ كُونِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

"اے آگ! ٹھنڈی ہو جا' سلامتی سے ابراہیمؑ کا خیال رہے" (سورۂ انبیاء: آیت ۶۹)۔

یہ دوسرے نبی تھے حضرت ابراہیمؑ جنھوں نے اپنے لیے دعا کی۔ حضرت نوحؑ نے اُمت کے لیے بددعا کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لیے دعا کی۔ حضرت موسیٰؑ کا زمانہ آیا اور موسیٰؑ بھیجے گئے فرعون کی طرف۔ آپؑ کے فرعون سے بڑے مقابلے ہوئے۔ ساحرانِ فرعون حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں آئے اور جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے کہ عزتِ فرعون کی قسم! ہم غالب ہوں گے اور قرآن کہتا ہے کہ اُنھوں نے کچھ لکڑی کے ٹکڑے' کچھ رسّی کے ٹکڑے ڈالے اور انسانی آنکھوں پر جادو کیا۔ جب انسانی آنکھوں پر جادو کیا تو ان کو وہ چلتے پھرتے سانپ دکھائی دیے اور جب وہ چلتے پھرتے سانپ بن گئے تو سارے مجمعے نے دیکھا کہ یہ سانپ ہیں۔

اِرشاد ہوا:

"اے موسیٰؑ! جو تیرے ہاتھ میں عصا ہے' اسے گرادو"۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی چھڑی زمین پر ڈالی۔ آیت ہے: وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا اور گھوم گھوم کر سارے سانپوں کو نگل گیا۔ ساحروں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ سب ایمان لے آئے۔ ان کو نہ تبلیغ کی ضرورت پڑی' نہ مصیبت جھیلنے کی ضرورت پڑی' نہ سمجھانے کی ضرورت' نہ ایک جملہ نبی سے کہنا پڑا:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ

(سورۃ اعراف: آیات ۱۲۱،۱۲۲)

"(عاجزی سے) بولے (کہ) ہم سارے جہان کے پروردگار

پر ایمان لائے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا پروردگار ہے"۔

قرآن میں آیت موجود ہے اس کو چاہے پڑھ لیں۔ کہا:

قَالُوْٓا

"ساحر کہنے لگے"

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"ہم سارے جہان کے پروردگار پر ایمان لائے"۔

حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر ساحروں نے اپنا مذہب بدل دیا اور وہی جو عزتِ فرعون کی قسمیں کھا رہے تھے' انھوں نے کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے"

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ

"موسیٰؑ اور ہارونؑ کے خدا پر ایمان لے آئے"۔

میں کہوں گا: سبحان اللہ! سبحان اللہ! مومن بھی ہوئے تو پکے مومن اس لیے کہ رسول اللہ کے ساتھ وصی رسول کا بھی کلمہ پڑھ لیا۔ یہ کیسے مومن ہو گئے؟ نہ کہنے کی ضرورت پڑی' نہ سننے کی' نہ تبلیغ کی ضرورت پڑی' نہ سمجھانے کی ضرورت پڑی اور ایمان لے آئے۔

ان سے پوچھیے: کیا ہوا؟ اتنی جلدی کیسے ایمان لے آئے؟ انھوں نے کہا: ظرفِ انسانی میں علم و فن کی جتنی سمائی تھی' اتنی ہم میں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم

کتنے قابل ہیں۔ ظرفِ انسانی میں جتنا علم و فن سما سکتا تھا جادو کے سلسلے میں' وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ اب ہم سے بڑھ کر جو مظاہرہ کر رہا ہے تو وہ کوئی انسانی قوت نہیں ہے بلکہ وہ کوئی سپر پاور ہے جس کے آگے انسان بے بس ہے۔

اب سمجھ میں آیا کہ جب کوئی بڑا عالم دیکھتا ہے کسی منظر کو تو وہ فوراً ایمان لے آتا ہے۔ اب یہ نہ کہہ دیجیے گا کہ جب امامؑ آئیں گے تو کیا تلوار سے سب کے گلے کاٹیں گے؟ جتنی قومیں پڑھی لکھی ہیں سب سے پہلے ایمان لائیں گی۔ جب وہ علم کا کمال دیکھیں گے تو خود بہ خود کلمہ پڑھانے لگیں گے ان کو پڑھنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی (صلواۃ...... نعرۂ حیدری)۔

حضرت موسیٰؑ نے بڑے بڑے مقابلے کیے' لیکن آخر میں جب کسی طرح فرعون راضی نہ ہوا اور کسی طرح ٹھیک نہ ہوا تو موسیٰؑ نے بددعا کے لیے ہاتھ اٹھائے: پالنے والے! اب انھیں ڈبو دے۔

قرآن کہتا ہے:

''موسیٰؑ اپنی اُمت کو لیے ہوئے دریا سے گزرے''۔

عام طور یہ مشہور ہے کہ وہ دریائے نیل تھا۔ دریائے نیل نہیں تھا بلکہ یہ بحیرۂ احمر (Red Sea) تھا' جس میں فرعون ڈوبا۔ جغرافیہ کی معلومات نہ ہونے پر اسے دریائے نیل کہتے ہیں اور دوسرا یہ کہ مصر کے ساتھ نیل مشہور ہے جیسے ہندوستان کے ساتھ گنگا مشہور ہے۔

حیدر آباد جا رہے ہیں اور راستے میں گنگا پڑا تو کہا: گنگا سے آگے بڑے

گا۔ اگر حضرت موسیٰؑ افریقہ جا رہے ہوتے تو نیل پڑتا راستے میں مگر وہ تو پلٹ کر شام کی طرف آ رہے تھے۔ شام کی طرف آتے ہوئے راستے میں نیل کہاں سے آ گیا؟ نیل نہیں تھا' یہ بحیرہ احمر (Red Sea) تھا' جس میں فرعون ڈوبا ہے۔

قرآن نے بھی یہ جملے کہے ہیں۔ اس جملے بھی غور کریں کہ ہر موج پہاڑ کا ایک ٹکڑا تو دریا میں اتنی بڑی بڑی موجیں نہیں اُٹھتیں کہ پہاڑ کا ٹکڑا معلوم ہو۔ حضرت موسیٰؑ اپنے لوگوں کو لیے ہوئے دریائے Red Sea سے باہر نکلے اور فرعون اُن کے پیچھے پیچھے چلا جب کہ راستے بنے ہوئے ہیں اور پانی اسی طرح کھڑا ہوا ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھی داخل ہو رہے ہیں۔ دیکھ کر اپنے ساتھ والوں سے کہتا ہے: یہ راستے میری وجہ سے بنے ہیں اور میں نے بنائے ہیں۔

جب سب فرعونی آ گئے اندر تو قرآن کہتا ہے: پانی سب برابر ہو گیا۔ موسیٰؑ کا آخری آدمی نکلا اور فرعون کا آخری آدمی دریا میں داخل ہوا اور پانی برابر ہو گیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ سب آدمی اچھے تھے بُرے نہیں تھے؟ مگر سب نجات پا گئے اور کیا فرعون کے ساتھ سب برے تھے اِن میں کوئی اچھا نہیں تھا مگر سب ڈوب گئے۔ معلوم ہوا کہ ڈوبنا ہو یا نجات پانا ہو' رہبر کے انتخاب پر ہوتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

قرآن پڑھیے! آپ کو قرآن بتائے گا کہ موسیٰؑ کا کوئی آدمی نہیں ڈوبا۔ موسیٰؑ کا کوئی ساتھی غرق نہیں ہوا' سب کے سب نجات پا گئے۔ یہ سب کے سب کیسے نجات پا گئے؟ کہا: قائد جو تھا وہ صحیح تھا اس لیے نجات پا گئے۔ ایک معصوم

قائم میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بارہ گناہ گار قبیلوں کو بچائے۔ کیا چودہ معصومین میں اتنی طاقت...... (نعرۂ حیدری)۔

حضرت موسیٰ نے دشمن کے لیے بددعا کی تو دشمن ہلاک ہو گیا...... ڈوب گیا۔ حضرت عیسیٰ کا زمانہ آیا تو حضرت عیسیٰ نے تبلیغ کی اور راستہ بتایا' لوگوں کو سچائی کی طرف دعوت دی' لوگوں کو ایمان اور حق کی طرف بلایا۔ مگر وہ نہیں آئے اور اس درجہ عیسیٰ کے مخالف ہوئے کہ عیسیٰ کے واسطے سولی لا کر لگا دی گئی۔ جب سولی لگا دی گئی تو حضرت عیسیٰ نے اللہ سے لَو لگائی:

ایلیا ایلیا لما سبقتنی

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! کیا تُو نے مجھے بھلا دیا ہے؟"

اللہ نے فرمایا: نہیں! میں نے تمھیں بھلایا نہیں ہے۔

تاریخ بتاتی ہے مذہب کی اور قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ کو آسمان کی طرف بلند کر لیا گیا:

مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ

"نہ ان کو قتل کیا جا سکا اور نہ سولی دی جا سکی"۔

حضرت عیسیٰ آسمان پر بلند کر لیے گئے اور عیسیٰ آج بھی زندہ ہیں۔ جو مسلمان عیسیٰ کی زندگی سے انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ عیسیٰ کو زندہ ماننا مسلمان ہونے کے اجزا میں سے ایک جز ہے۔ اگر دو ہزار برس سے عیسیٰ زندہ ہو

سکتے ہیں......(نعرۂ حیدری)

آج دنیا میں جو فساد مچا ہے' آج دنیا میں جو ہنگامے ہیں۔ اس میں برابر جو ہمارے کانوں میں آوازیں آتی ہیں کہ امریکہ کی سازش ہے' اس میں امریکہ کا ہاتھ ہے' اس میں برطانیہ کا ہاتھ ہے اور اس میں یورپ کی سازش ہے۔ اگر آپ یورپ میں جا کر دیکھیں تو majority عیسیٰؑ کے ماننے والوں کی ہے اور امریکہ میں جا کر دیکھیں majority عیسیٰؑ کے ماننے والوں کی ہے۔ سمجھ لیا! اب کوئی نہیں کہہ رہا کہ ہیں تو وجود کا فائدہ کیا ہے؟

یہاں گڑبڑ ہوئی۔ جی! اب آپ کے امامؑ ہیں تو وجود کا فائدہ کیا ہے؟

میں نے کہا: وہی فائدہ ہے جو عیسیٰؑ کا ہے۔

اچھا! اب ہیں تو کہاں ہیں؟

میں نے کہا: عیسیٰؑ کے پاس چلے جایئے' ان کے پاس address ہے وہاں سے لے لیجیے گا (صلوٰۃ)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ جو چار بڑے نبی تھے' حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ۔ انھوں نے یا تو اپنے لیے دعا کی یا دشمن کے لیے بددعا کی۔ نوحؑ نے دشمن کے لیے بددعا کی' ابراہیمؑ نے اپنے لیے دعا کی' موسیٰؑ نے اپنے دشمن کے لیے بددعا کی اور عیسیٰؑ نے اپنے لیے دعا کی۔

ہمارا نبی سارے پیغمبروں سے افضل ہے اس لیے کہ مصیبتوں کے سیلابوں سے

گزرتا گیا' پریشانیوں کو جھیلتا گیا' تکلیفوں کو اُٹھاتا گیا' پتھر کھاتا گیا' وطن چھوڑتا گیا اور ہجرت کرتا گیا مگر نہ دشمن کے لیے بددعا کی اور نہ ہی اپنے لیے دعا کی (نعرۂ حیدری)۔

نہ دعا کی اور نہ بددعا کی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اتنا قریب ہو گئے پروردگار کے کہ ان کا عمل اللہ کا عمل ہو گیا اور اللہ کا عمل ان کا عمل ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے آپس میں کوئی بات طے ہو گئی ہو کہ جو تم کرو گے' اس کی ذمہ داری ہم پر اور جو ہم کریں گے' اس کی ذمہ داری آپؐ پر۔ جو خدا نے فرمایا اس کے کرنے کے لیے رسولؐ آگے آئے اور جو رسولؐ نے کیا اس کے لیے خدا آگے آیا:

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ (سورۂ انفال: آیت ۱۷)

"یہ آپؐ نے کنکر نہیں پھینکے ہیں یہ اللہ نے پھینکے ہیں"۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ یہ طے ہو گیا تھا کہ اگر تمھیں کوئی کچھ کہے گا تو ہم بولیں گے اور اگر ہمیں کوئی کچھ کہے گا تو تم بولنا۔ اب اللہ سے کسی نے کچھ کہا تو رسولؐ بولے اور رسولؐ سے اگر کسی نے کچھ کہا تو اللہ بولا۔ ایک تیسرے بزرگ بھی آ گئے بیچ میں' اُنھوں نے کہا کہ جو خدا اور رسولؐ کو کچھ کہے گا تو میں بولوں گا (نعرۂ حیدری)۔

جس نے خدا کو کچھ کہا تو وہ بولے اور جس نے رسولؐ کو کچھ کہا تو بھی وہ بولے۔ اب سمجھ لیجیے بات کو ہمیشہ کے لیے اور سوچ سمجھ کر زبان کھولیے گا کہ ان کو اگر کوئی کچھ کہے گا تو خدا بھی بولے گا اور رسولؐ بھی بولے گا (نعرۂ حیدری)۔

یہ حضرت نوحؑ تھے اولوالعزم نبی اور جب ان کی بددعا قبول ہوئی تو ارشاد ہوا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا...... (سورۂ ھود: آیت ۳۷)

"اچھا نوحؑ! اگر تمہیں شکایت ہے اپنی اُمت سے تو کشتی بناؤ"۔

فوراً عذاب نہیں آ گیا۔ اللہ ابھی مہلت دے رہا ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا......

"کشتی بناؤ"

بِاَعْيُنِنَا

"ہماری نگاہوں کے سامنے بناؤ"۔

دیکھیے! کوئی چیز اللہ کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے مگر حکم ہو رہا ہے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے بناؤ۔

بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا

"اور ہماری وحی سے بناؤ"۔

یعنی جیسے جیسے کشتی بن رہی تھی حضرت نوحؑ پر وحی آ رہی تھی کہ اب پلڑا لگاؤ' اب ایسے بناؤ' جو بھی ہو رہا تھا بہر حال بنوا رہا تھا خدا اور بنا رہے تھے نوحؑ۔ معبود! یہ کیسی کشتی بن رہی ہے جو تیری وحی سے بن رہی ہے اور تیرے سامنے بن رہی ہے؟ ممکن ہے جواب دے: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کشتی نجات بن رہی ہے۔ یہ نبی بھی بنائے گا تو ہمارے حکم سے بنائے گا' اپنی طرف سے نہیں بنائے گا۔ معلوم ہوا کہ کشتی نجات جب بنتی ہے تو اللہ کے حکم سے بنتی ہے' نبی کی طرف سے نہیں بنتی۔

اب یہ سمجھیے! دنیا میں دو ہی کشتیاں بنی ہیں: ایک نوحؑ کی بنی ہے اور ایک

رسولِ اسلام کشتی بنا کر گئے ہیں:

اِنَّمَا مَثَلُ اَھلُبَیتِی کَمَثَلِ سَفِینَۃِ نُوحٍ

''میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی طرح ہے''۔

مَن رَکِبَھَا نَجَا وَ مَن تَخَلَّفَ عَنھَا غَرِقَ

''جو اس پر سوار ہوا' اُس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہ گیا' وہ غرق ہوا''۔

کشتی بن کر تیار ہوئی۔ حضرت نوحؑ اور نوحؑ کے ساتھ جتنے بھی لوگ ایمان لائے تھے وہ ایک کشتی بھر لوگ تھے۔

دیکھیے!

بات سے بات نکلتی ہے تو کہنا پڑتی ہے' ورنہ میں کبھی کبھی اپنے موضوع سے الگ بھی ہو جاتا ہوں۔ ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کا خلاصہ ایک کشتی بھر آدمی...... ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کا حاصل ایک کشتی بھر آدمی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال محرم آتا ہے' ہر سال مجلسیں ہوتی ہیں' انھیں کیا مل جاتا ہے' کیا ہو جاتا ہے؟ ارے بھائی! ساڑھے نو سو برس حضرت نوحؑ جیسا نبی تبلیغ کرتا ہے تو ایک کشتی بھر آدمی ملتے ہیں' اس کے برعکس ہمارا عزم ہر سال نوحؑ کی کشتی سے زیادہ average دیتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

ایک کشتی بھر آدمی آئے اور پانی اُبلنا شروع ہوا۔ کشتی پانی میں بلند ہونے لگی اور مومنین کشتی میں بیٹھے ہیں۔ نوحؑ کا ایک بیٹا جو عمل غیر صالح تھا' وہ آپؑ

کا بیٹا تھا مگر عمل اس کا ٹھیک نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی تعریف عمل سے ہوتی ہے۔ بیٹا ضرور تھا مگر عمل صحیح نہیں تھا' وہ کشتی میں نہیں آیا اور پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ حضرت نوحؑ نے اُسے آواز دی۔ اب میں کیا کروں' قرآن میں جو لکھا ہے وہ سنا رہا ہوں:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (سورۂ ھود: آیت ۴۲)

"ہماری کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ"۔

"اے بیٹا!"

نوحؑ پکار رہے ہیں:

"اے بیٹا! ہمارے ساتھ کشتی پر آ جاؤ اور کافروں میں نہ قرار پاؤ"۔

اچھا تو معلوم ہوا کہ جو نوحؑ کی کشتی کو چھوڑ دے' وہ کافر ہے۔

"اے بیٹا! ہمارے ساتھ آ جاؤ اور کافروں میں نہ قرار پاؤ"۔

بیٹا ادھر سے مغرورانہ جواب دیتا ہے:

"میں اس پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا' یہ مجھے پانی سے بچا لے گا"۔

معلوم ہوا کہ کشتی چھوڑ کر جو پہاڑ کا سہارا لے...... (نعرۂ حیدری)

نوحؑ نے کہا: "آج تجھے عذابِ الٰہی سے بچانے والی کوئی شے نہیں ہے"۔ ایک طرف پانی بڑھ رہا ہے اور دوسری طرف نوحؑ کا بیٹا کشتی چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔

اب سوچیے! یہ پانی جب اس کے پیروں تک آیا ہو گا' اس کی کمر تک آیا ہو

گا یا اس کے سینے تک آیا ہوگا' اب تو کہہ دیتا کہ بابا! مجھے کشتی پر لے جاؤ۔ لیکن! ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ جو جان بوجھ کر ڈوبتا ہے وہ راہِ راست پر نہیں آتا۔

قرآن کہتا ہے:

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (سورۂ ھود: آیت ۴۳)

"اور اُن دونوں کے درمیان موج حائل ہوگی (اور) وہ ڈوب کر رہ گیا"۔

ایک موج اُٹھی اور اب جو دیکھا تو پہاڑ غائب تھا اور اس کی چوٹی پر جو لڑکا تھا' وہ بھی غائب تھا' بس! ختم ہو گئے۔ کشتی چلتی رہی کہ نجات کی کشتی تھی۔ سربراہی اُس کی نوحؑ کر رہے تھے اور اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ ڈوبے گی نہیں۔

اس کشتی میں دو واقع ہوئے ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک موقع ایسا آیا جہاں ایک زمین کا ٹکڑا سوکھا پڑا تھا جب کہ چاروں طرف پانی پتھر کی دیواروں کی طرح کھڑا ہوا ہے اور درمیان میں ایک زمین کا ٹکڑا سوکھا ہے۔ وہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔ ایسے مقام پر پانی چکر کاٹنے لگتا ہے۔ جو لوگ دریا سے واقف ہیں یا تیرنا جانتے ہیں اُنھیں معلوم ہے کہ ایسے موقع اگر دریاؤں میں ہوتے ہیں تو پانی وہاں چکر کاٹنے لگتا ہے۔

چنانچہ! وہاں بھی پانی چکر کاٹ رہا تھا۔ حضرت نوحؑ کی کشتی اس چکر میں آئی اور چکر کھاتی رہی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں آج خانۂ کعبہ بنا ہے۔ چوں کہ یہ زمین مخصوص تھی اللہ کے گھر کے لیے اور یہ پانی عذاب کا پانی تھا لہٰذا عذاب کا پانی

پہچانتا تھا کہ کہاں جانا چاہیے اور کہاں نہیں جانا چاہیے۔ عذاب کا پانی رُک گیا اور وہ زمین بالکل خشک رہی اور حضرت نوحؑ کی کشتی نے اس کے گرد سات چکر کھائے۔ اس طریقے سے حضرت نوحؑ نے کشتی میں بیٹھے بیٹھے طواف کیا اور اُسی دن سے یہ مطلع ہو گیا کہ طواف چاہے آپ سوار ہو کر کریں یا پیدل کریں، دونوں طرح صحیح ہے۔

حضرت نوحؑ نے کشتی پر بیٹھے بیٹھے خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ سات چکر کھانے کے بعد کشتی اس پانی سے نکلی اور اپنے راستے کو چلی گئی اور یہ بھی پتا چل گیا کہ کوئی زمین ایسی بھی ہے جس پر پانی نہیں چڑھتا۔ اب اگر ہزاروں برس کے بعد ہم کتاب میں یہ پڑھیں کہ متوکل نے نہر بہائی تو تربتِ حسینؑ کے اِردگرد پانی حلقہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور قبرِ حسینؑ پر نہیں آیا تو حیران نہ ہوتا۔

حیرانی نہ کیجیے گا! اگر کعبے پر پانی نہیں جا سکتا تو محافظِ کعبہ پر بھی پانی نہیں جا سکتا...... ایک واقعہ تو یہ ہوا اور دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ کشتی smooth چل رہی تھی اور کوئی اس میں گڑبڑ نہیں تھی کہ ایک مرتبہ ایک ایسی منزل پر پہنچی جہاں کشتی طغیانی میں آ گئی اور پانی میں اتنی موجیں اُٹھنے لگیں، پانی میں اتنی بے قراری پیدا ہوئی اور کشتی کی وہ کیفیت ہو گئی کہ حضرت نوحؑ جیسے رہبر کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسا تو نہیں ہے کہ کشتی ڈوب جائے گی۔ بے شک وعدہ تو اللہ نے کیا تھا کہ کشتی نہیں ڈوبے گی مگر ہو سکتا ہے کہ مصلحت تبدیل ہو گئی ہو۔ فوراً مناجات کی: پالنے والے! کیا تیری مصلحت بدل گئی ہے؟ کیا مشیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے؟

وحی آئی: اے نوحؑ! کشتی ڈوبنے والی نہیں ہے۔ تم جس سرزمین سے گزر رہے ہو اس سرزمین کا نام کربلا ہے اور یہاں سے کوئی نبی یا وصی نہیں گزرا ہے مگر یہ کہ مبتلائے زحمت ہوا ہے۔ لہٰذا تم بھی مبتلائے زحمت ہو رہے ہو لیکن! تمھاری زحمت تھوڑی دیر میں تمام ہو جائے گی اور یہ کشتی ڈوبے گی نہیں۔

چنانچہ! کشتی میں اضطراب کی لہریں اُٹھتی رہیں لیکن کشتی ڈوبی نہیں۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ایک منزل وہ آئی کہ جب جتنے مشرکین و کافرین تھے وہ سب غرق ہو گئے اور حضرت نوحؑ کی کشتی کوہِ جودی پر جا کر ٹھہری اور طوفان سے دُھلی ہوئی زمین پر اہلِ ایمان اُترے اور انھوں نے اس دنیا کو پھر سے بسایا۔ یہ حضرت نوحؑ کی کشتی تھی، جس نے اُمت کو عذاب سے بچایا۔

عزیزانِ گرامی!

رسولِ خدا دنیا سے جانے سے پہلے اپنے دل کے ٹکڑوں کو ایک کشتی بنا کر گئے اور اُمت کو یہ پیغام دے کر گئے کہ میں تمھارے درمیان اپنے اہلِ بیتؑ کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان کی مثال سمجھ لینا کیا ہے؟

مَثَلُ اَهلُبَيتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ

"میرے اہلِ بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی طرح ہے"۔

اب اہلِ بیتؑ کو اگر سمجھنا ہے تو نوحؑ کی کشتی سے سمجھیے کیوں کہ کفر نوحؑ کی کشتی سے باہر تھا اور ایمان نوحؑ کی کشتی میں تھا۔ یقین نوحؑ کی کشتی میں تھا، صداقت نوحؑ کی کشتی میں تھی، وفا نوحؑ کی کشتی میں تھی، خیر نوحؑ کی کشتی

میں تھی اور اچھائی نوحؑ کی کشتی میں تھی غرض یہ کہ جو کچھ اچھا تھا' وہ سب کشتی میں تھا اور جتنی برائیاں تھیں' وہ سب کشتی سے باہر تھیں۔

اب جس کو خیر چاہیے' نیکی چاہیے اور ایمان چاہیے وہ اہل بیتؑ کے دَر پر آئے اور آ کر لے جائے اور اس واقعہ سے ایک تاریخ یہ بھی رقم ہو گئی کہ جو کشتی چھوڑ جاتا ہے' وہ ڈوب جاتا ہے لہٰذا اب دنیا' رشتہ داریاں اور تعلقات نہ ڈھونڈیے بلکہ جو کشتی میں آئے گا' وہ بچ جائے گا اور جو چھوڑے گا' وہ ڈوب جائے گا (صلوٰۃ)۔

یہ کشتی وہاں سے چلی جہاں پر سرورِ کائناتؐ کی آنکھ بند ہوئی۔

مَثَلُ اَهلُبیتِی کَمَثَلِ سَفِینَۃِ نُوحٍ

پانچ وارث بنے اس کشتی کے۔ سرورِ کائناتؐ کے بعد اس کے وارث بنے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ (صلوٰۃ)۔

تھوڑے سے لوگ تھے جو کشتی میں آئے اور اکثریت کشتی سے نکل گئی۔

حیران نہ ہوئیے گا!

حضرت نوحؑ کی کشتی میں بھی ایسا ہوا تھا۔ کشتی چلتی رہی اور مرحلے گزرتے رہے' یہاں تک دورِ علیؑ تمام ہوا۔ پھر دورِ امامِ حسنؑ آیا اور فتنے کی موجوں کو چیرتی ہوئی یہ کشتی آگے بڑھتی رہی اور دورِ امامِ حسنؑ تمام ہوا۔ پھر دورِ امام حسینؑ آیا' کشتی چل رہی ہے اور کشتی فتنے کی موجوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ نہج البلاغہ اُٹھا کر ملاحظہ فرمائیے' مولا علیؑ نے اپنے چاہنے والوں اور اپنے دوستوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ شُقُّوا اَمْوَاجَ الفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاتِ

"اے لوگو! فتنے کی موجوں کو پارہ پارہ کرو، نجات کی کشتی کے ذریعے سے"۔

جو لوگ نجات کی کشتی کے ذریعے سے آگے بڑھ رہے ہیں، وہ فتنے کی موجوں کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ کے زمانے میں جب سوالِ بیعت اُٹھا تو یہ سمجھ لیجیے کہ کشتی میں طلاطم آیا اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ کشتی ایسی منزل پر آئے کہ صبحِ قیامت تک کے واسطے انسانوں کی نجات کا ذریعہ بن جائے۔

نوحؑ کی کشتی میں جتنی بھی گنجائش ہو لیکن امام حسینؑ کی وہ کشتی جو بہتر (۷۲) آدمیوں کو لے کر چلی تھی، اس کی گنجائش کی حد نہ پوچھیے کیا تھی۔ مدینے سے یہ کشتی چلی جس وقت سوالِ بیعت اُٹھا اور جب ولید نے بیعتِ یزید امام حسینؑ کے سامنے پیش کی تو تاریخ بتاتی ہے کہ امامِ عالی مقامؑ مسجد میں تشریف فرما تھے، رات کا وقت تھا، عشاء کی نماز ہو چکی تھی اور رات کافی گزر چکی تھی۔ ایک سرکاری آدمی امامؑ کے پاس آیا اور کہا: آپؑ کو حاکمِ وقت نے ملاقات کے لیے بلایا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم چلو تھوڑی دیر میں، مَیں آتا ہوں۔

وہیں مسجد کے ایک گوشے میں عبداللہ ابن زبیر بھی بیٹھے ہوئے تھے، وہ ان کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی کہا جو امامؑ سے کہا تھا۔ اب پتا نہیں کہ عبداللہ

ابن زبیر نے کیا جواب دیا؟ وہ آدمی چلا گیا۔ عبداللہ ابن زبیر اُٹھ کر امامؑ کے پاس آئے اور کہتے ہیں: اتنی رات میں ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟ کیا کچھ اندازہ ہے آپؑ کو؟

امامؑ کے یہ جملے تاریخ میں موجود ہیں، آپؑ نے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا قاضی ہلاک ہو گیا ہے اور ہم کو بیعتِ یزید کے واسطے بلایا گیا ہے۔

عبداللہ ابن زبیر، امام حسینؑ اور ان کے خاندان سے عداوت تو رکھتے تھے مگر یہ جانتے تھے کہ جو حسینؑ کی زبان سے نکلا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ! تاریخ لکھتی ہے کہ عبداللہ ابن زبیر اپنے گھر آئے اور آتے ہی انھوں نے مختصر سا سامانِ سفر لیا اور اُونٹ پر بیٹھ کر نامعلوم راستے سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اِدھر امام حسینؑ اپنے گھر آئے اور بنی ہاشمؑ کے جوانوں کو آواز دی اور فرمایا: مجھے حاکم مدینہ نے بلایا ہے تم لوگ اسلحہ لگا کر میرے ساتھ چلو، مگر یاد رہے کہ تمھیں نہیں بلایا گیا اس لیے تم دروازے کے باہر کھڑے رہنا اور اندر نہ آنا۔ ہاں! میری آواز اگر بلند ہو تو اندر آ جانا۔ امامؑ تنہا اندر تشریف لے گئے وہاں ولید بیٹھا ہوا تھا اور ولید کے پہلو میں دوسرا دشمن خاندانِ رسالتؐ مروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ولید نے بیعتِ یزید پیش کی تو امام حسینؑ نے فرمایا: یہ کوئی موقع نہیں ہے اس گفتگو کا، جب تم سب کو بلانا تو ہم کو بھی بلانا، اس وقت فیصلہ ہوگا کہ ہم دونوں میں قابلِ بیعت کون ہے۔

سوال جو کیا تھا اس کا جواب دے دیا تھا۔ امامؑ اُٹھنے لگے تو مروان نے

ولید سے کہا: ولید! ابھی ابھی حسینؑ کا سر کاٹ لے ورنہ خون کے دریا میں ڈوب کر

تُو ان تک پہنچے گا۔

بس! جیسے ہی اس نے یہ جملہ کہا تو امام حسینؑ نے اس کو ڈانٹا:

مَا تَقُولُ یَا بن الزَّرقَا

''او بدکردار عورت کے بیٹے! کیا کہا تُو نے؟''

امامؑ کی آواز باہر تک گئی' دروازہ کھلا اور بنی ہاشمؑ کے اٹھارہ جوان تلواریں

سونتے ہوئے اس کے گھر میں داخل ہوئے اور تاریخ لکھتی ہے:

اَوَّلُ مَن فَا السَّیفُ فَهُوَ عَبَّاسُ وَ عَلِی اَکبَر

''سب سے پہلے جن دو جوانوں نے تلواریں نکالیں وہ عباسؑ

اور علی اکبرؑ تھے''۔

ذِکرِ مصائب: امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

عزیزانِ گرامی!

اب امام حسینؑ اٹھارہ جوانوں کے جھرمٹ میں تھے۔ یہ واقعہ چھبیسویں رجب سن ساٹھ ہجری رات کے دس بجے کے بعد کا ہے۔ ستائیسویں رجب کا دن بنی ہاشمؑ نے سامانِ سفر کی تیاری میں گزارا اور امامؑ نانا کے روضے پر گئے۔ پھر ماں کی قبر پر گئے اور بھائی کے مزار پر گئے۔ ایک ایک سے ملے۔ حضرت اُمّ سلمیٰؓ سے ملے' حضرت اُمّ البنینؑ سے ملے۔ اس طرح سب سے ملاقات کرتے ہوئے

سارا دن گزارا۔

اٹھائیسویں رجب کو یہ قافلہ مدینہ سے نکلا اور امام حسینؑ علی الاعلان یہ کہتے ہوئے کہ "مجھے بیعت سے انکار ہے" مدینے سے باہر نکل گئے۔ پہلے مسجد مدینہ میں بیٹھے رہے، تسبیح پڑھتے رہے، سجدے کرتے رہے۔ کسی نے پلٹ کر حسینؑ سے عرض کیا: رسولؐ کے نواسے! آپؑ نہ جایئے ہم آپؑ کی مدد کے لیے تیار ہیں مگر کشتی آگے بڑھتی ہے اور مدینہ سے مکہ پہنچتی ہے۔

مکہ میں شعبان، رمضان، شوال اور ذیقعد چار مہینے مسلسل امامؑ رہتے ہیں۔ مکہ عالم اسلام کا دل ہے، مکہ میں چاروں طرف سے لوگ آتے ہیں، جو آیا وہ حسینؑ سے ملا اور جو حسینؑ سے ملا ان سے اپنے مؤقف کا اظہار کیا مگر دنیا کے بندے اور حکومت کے پرستار اور دولت کے دلدادہ اور زندگی کے چہیتوں نے یہ نہ کہا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آتے تھے، ملتے تھے، پھر چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہوا اور مکے میں حاجیوں کی بھیڑ بڑھنے لگی۔

آٹھویں ذوالحجہ کو یومِ ترویہ کہتے ہیں۔ تین دن ایسے ہیں اسلام میں جن کے نام ہیں۔ آٹھویں ذوالحجہ کا نام یومِ ترویہ، نویں ذوالحجہ کا نام یومِ عرفہ اور دسویں ذوالحجہ کا نام یوم نحر ہے۔ آٹھویں ذوالحجہ کو ہر حاجی جو حج کرتا ہے اس سال اس کا مکے میں ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ مکے میں نہیں ہوگا تو اس سال حج نہیں کر سکتا، اس لیے کہ حج کا احرام مکے میں باندھا جاتا ہے اور جو لوگ حج پر جا چکے ہیں، وہ اس بات سے واقف ہیں۔

آٹھویں ذوالحجہ کو دوپہر کے وقت بابِ ابراہیمؑ پر ہلچل ہوئی اور لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ داخل ہو رہے ہیں۔ اس شان سے داخل ہو رہے ہیں کہ امام حسینؑ کو ان کے عزیز اپنے حلقے میں لیے ہوئے ہیں۔ بنی ہاشمؑ کے جوان ان کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے ہیں اور بنی ہاشمؑ کے جوانوں کو حسینؑ کے چاہنے والے اور حسینؑ کے شیعہ اپنے حلقے میں لیے ہوئے ہیں۔ اس طریقے سے امام عالی مقامؑ حرم میں داخل ہو رہے ہیں' یہ کہتے ہوئے کہ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں حسینؑ کی جان ہے مجھے جان عزیز نہیں ہے مجھے اس زمین کا احترام پیارا ہے۔ میں اس زمین سے اگر ایک بالشت باہر نکل کر قتل کر دیا جاؤں تو وہ مجھے گوارہ ہے' بہ نسبت کہ اس زمین میں ایک بالشت رہتے ہوئے قتل کر دیا جاؤں۔

کیوں کہ قاتل حاجیوں کے بھیس میں آ چکے تھے اور لباسِ احرام میں خنجر چھپا کر لا چکے تھے اور ان کو اجازت مل چکی تھی کہ اگر حسینؑ طواف کرتے ہوئے ملیں' سعی کرتے ہوئے ملیں یا مقامِ ابراہیمؑ پر نماز پڑھتے ہوئے ملیں' جہاں بھی ملیں انھیں قتل کر دو۔

لہٰذا امام حسینؑ اس شان کے ساتھ آ رہے تھے۔ یہ آٹھویں ذوالحجہ تھی' جہاں دوہرے حسینی حلقے میں حسینؑ کی سواری آ رہی تھی۔ ایک مہینہ دو دن کے بعد دسویں محرم کو یہی حسینؑ کربلا میں اکیلے کھڑے تھے۔ نہ عزیزوں کا حلقہ تھا اور نہ شیعوں کا حلقہ تھا۔ امام حسینؑ نے اپنے حج کو عمرے میں بدلا اور عمرہ مفردہ کر کے

کے سے نکل گئے۔ ایک طرف لوگ اپنے دسترخوانوں میں روٹیاں لپیٹتے رہ گئے'
ایک طرف اپنی مشکوں میں پانی بھرتے رہ گئے' کسی نے پلٹ کر حسینؑ سے یہ نہ کہا
کہ رسولؐ کے نواسے! ہم آپؑ کی نصرت کو تیار ہیں۔

کشتی نجات آگے بڑھ گئی' حسینؑ کے سے نکلے اور عراق کا رُخ کیا۔ چلتے
رہے اور راستے میں جو ملتا گیا اس کو اپنی خبر شہادت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ
ایک منزل وہ بھی آئی کہ جب حرؑ کا پیاسا لشکر ملا۔ باوجود اس کے کہ اہل و عیال
امامؑ کے ساتھ تھے' چھوٹے چھوٹے بچے بھی ساتھ تھے' لیکن حسینؑ نے حرؑ کے
پیاسے لشکر کو پانی پلا کر اپنی دریا دلی کی ایک انوکھی مثال قائم کر دی۔

کشتی آگے بڑھتی ہے۔ اصرار ہو رہا ہے کہ حسینؑ کربلا میں نہ جائیے۔
دشمن اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے' کربلا میں قافلہ پہنچا۔ کشتی اپنی منزل تک
پہنچی۔ اب یہ صبح قیامت تک کے واسطے کربلا سے نہ جائیں گے اس لیے کہ اب
کربلا میں آ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ دریا کنارے خیمے لگائے گئے لیکن بعد میں وہاں
سے ہٹا کر تپتے ہوئے ریگستان میں خیمے لگے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ نجات کی کشتی جو امام حسینؑ نے بنائی تھی' آج چودہ سو برس سے چل رہی
ہے۔ اب ہر سال محرم آتا ہے تو لوگ اس کشتی کو دیکھتے ہیں۔ ہر سال ایامِ عزا
آتے ہیں تو لوگ اس کشتی کو دیکھتے ہیں۔ یہ وہی کشتی ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جس کشتی کو حسینؑ نے بنایا ہے' آج ساری دنیا اس کشتی میں سوار ہے۔ یہ حسینؑ کی نجات کی کشتی ہے۔ "میرے اہل بیتؑ کی کشتی وہ ہے جو اس سے لپٹ گیا' وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پھر گیا وہ ہلاک ہو گیا"۔ آیئے! ہم اور آپ دعا کریں کہ مولاؑ! یہ غلام جو آپ کے بیٹھے ہیں' یہ آپؑ کا دامن چھوڑ کر جانے والے نہیں ہیں۔

ساتویں سے پانی بند ہو گیا اور عاشور کی رات آ گئی۔ عاشور کی شب امامؑ نے اصحابؓ کو اپنے خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: دیکھو! میں تمھاری گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھا رہا ہوں' تمھارا جہاں دل چاہے چلے جاؤ میں تمھیں منع کرنے والا نہیں ہوں۔

اصحابؓ نے سر اُٹھا کر عرض کیا: مولاؑ! یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ مسلمؓ نے تقریر کی' زُہیرؓ نے تقریر کی' حبیبؓ نے تقریر کی' جونؓ غلام حبشی نے تقریر کی' حضرت عباسؑ نے تقریر کی۔ ایک ایک نے تقریر کی اور کوئی حسینؑ کا ساتھ چھوڑ کر نہ گیا۔

عاشور کا دن آیا' جن لوگوں نے تقریریں کی تھیں انھوں نے تقریروں سے زیادہ نصرت کر کے دکھا دی مگر دن ڈھلتے ڈھلتے پہلے دوست کام آئے۔ جب دوست نہ رہے تو عزیز کام آئے۔ جب عزیز نہ رہے تو دل کے ٹکڑے کام آئے۔ جب دل کے ٹکڑے نہ رہے تو کبھی عباسؑ کی میت پر روئے اور فرمایا: بھیا!

شمارے مرنے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ کبھی علی اکبرؑ کے سینے سے برچھی نکالی اور کبھی علی اصغرؑ کے گلے سے تیر نکالا۔ اب امام حسینؑ کربلا کے میدان میں اکیلے کھڑے تھے:

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

"ہے کوئی میرا مددگار؟"

کوئی نیزہ مارتا ہے کوئی تیر مارتا ہے اور کوئی تلوار مارتا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

مجلسِ ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

خداوندِ عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم میں"۔

عزیزانِ محترم!

میں آپ کی خدمت میں حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے سلسلے میں عرض کر چکا ہوں۔ آج آلِ ابراہیمؑ کا تذکرہ ہو گا۔ حضرت ابراہیمؑ کی آل کا سلسلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں: ایک حضرت سارہؑ تھیں اور اس کے بعد حضرت ہاجرہؑ سے بھی عقد کیا تھا۔ اس طریقے سے حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں اور دونوں صاحب اولاد ہوئیں۔

حضرت سارہؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور حضرت ہاجرہؑ کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت سارہؑ کے ہاں جو صاحب زادہ پیدا ہوا اس کا نام اسحاقؑ تھا اور

حضرت ہاجرہؑ کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام اسماعیلؑ تھا۔ نسل ابراہیمؑ دو بیویوں سے چلی۔ نسل ابراہیمؑ سارہؑ سے بھی چلی اور ہاجرہؑ سے بھی چلی۔ حضرت ہاجرہؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ بھی صاحب اولاد ہوئے اور حضرت سارہؑ کے فرزند حضرت اسحاقؑ بھی صاحب اولاد ہوئے۔ پہلے حضرت ابراہیمؑ اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ شام میں رہتے تھے مگر اللہ کی مشیت میں یہ گزرا کہ دونوں بیویاں ایک ساتھ نہ رہیں۔ چنانچہ حکم پروردگار ہوا:

"ابراہیمؑ! ہاجرہؑ اور سارہؑ ایک ساتھ نہیں رہیں گی۔ ہاجرہؑ کو تم وہاں پہنچا دو جہاں ہم کہیں گے"۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی ہاجرہؑ کو لیے ہوئے اور حضرت اسماعیلؑ چھوٹے سے گود میں اور حضرت جبرئیلؑ ایک نوجوان کی شکل میں گھوڑے کے ساتھ راستہ بتانے کے لیے یہ قافلہ شام سے نکلا۔ شام سے نکل کر یہ قافلہ چلتا رہا' چلتا رہا' چلتا رہا' راتیں گزرتی گئیں' دن گزرتے گئے' صبح آتی رہی' شام ہوتی رہی اور منزلیں طے ہوتی رہیں' یہاں تک کہ یہ قافلہ ایک روز دوپہر کے وقت ایک "valley" میں ایک میدان میں' ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں چاروں طرف پہاڑ تھے اور پہاڑ بھی ہرے بھرے نہ تھے بلکہ کالے کالے پہاڑ تھے جن پر کچھ اگتا نہیں تھا اور درمیان میں تھوڑی سی زمین تھی جو صاف تھی' ایسی جگہ کو "valley" کہتے ہیں اور عربی میں ایسی جگہ کو وادی کہتے ہیں۔

بہرحال! وہاں پہنچے دوپہر تھی' سر پر دھوپ تھی' تیز گرمی تھی' جبرئیلؑ نے

گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور عرض کیا: خلیل خداؑ! یہاں رُک جائیے۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؑ سے فرمایا: بی بی ہاجرہؑ! تمھارے واسطے حکم خدا یہ ہے کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ۔

بی بی ہاجرہؑ بچے کو گود میں لیے ہوئے سواری سے اُتریں۔ حضرت ابراہیمؑ اُترنا چاہتے تھے اور ایک پیر رکاب سے نکال لیا تھا۔ اب دوسرا پیر رکاب سے نکلنا باقی تھا کہ جبرئیلؑ نے عرض کیا: حضرت ابراہیمؑ! آپؑ کے لیے خدا کا حکم یہ ہے کہ دونوں پیر رکاب سے نہ نکلیں۔

دونوں پیر رکاب سے نہ نکلیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب گھوڑا سوار دونوں پیر نکالے گا نہیں تو اُترے گا کیسے؟ کیا حضرت ابراہیمؑ جیسا سمجھ دار بندہ یہ سمجھ نہ پائے گا کہ اس کے لیے حکم خدا یہ ہے کہ تم یہاں نہ رُکو۔ انھوں نے جو پیر رکاب سے نکالا تھا' وہ بھی رکاب میں رکھ لیا اور کہا کہ چلو اور سواری کا رُخ موڑ دیا۔ ایک مشک پانی بیوی کو دی اور ایک مشک پانی دے کر سواری آگے بڑھا دی۔

اب جنگل بیابان ہے' چاروں طرف چٹیل میدان ہے اور حدِ نظر تک اُونچے اُونچے کالے پہاڑ ہیں۔ نہ آدمی ہے' نہ جانور ہے' نہ درخت ہے اور نہ سایہ ہے غرض یہ کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بس! ایک بی بیؑ ہے اور اس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ پلٹ کر بی بیؑ نے اتنا نہ پوچھا کہ مجھے کس کے سہارے پر چھوڑا ہے؟

میں کہوں گا: بی بی ہاجرہؑ! اتنا تو پوچھ لیجیے شوہر سے کہ مجھے اس جنگل بیابان میں کس کے سہارے پر چھوڑے جا رہے ہو؟ ممکن ہے وہ جواب دیں کہ پوچھے وہ

جس کو اللہ کے وجود پر یقین نہ ہو۔ خلیل رہیں نہ رہیں' اللہ تو ہے۔

ابراہیمؑ تو اِدھر سے چلے گئے۔ اُدھر بی بیؑ نے جس بچے کو لٹایا تھا' اس کو دیکھا کہ وہ پیاسا ہے اور بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا ہے۔ جب بی بیؑ مشک کی طرف گئیں کہ بچے کو تھوڑا سا پانی پلا دوں تو وہاں دیکھا کہ مشک پر ایک بہت بڑا کالا بچھو بیٹھا ہوا ہے' بہت ہی بڑا خطرناک کالا اور زہریلا' وہ مشک پر ڈنگ مار رہا ہے اور اس کا ڈنگ اتنا زہریلا ہے کہ جب مشک پر لگتا ہے تو مشک میں چھید ہو جاتا ہے اور اس چھید سے چھلنی کی طرح پانی بہہ رہا ہے۔

اب کیا کریں' پانی بھی بہہ گیا اور زہریلا بھی ہو رہا ہے۔ جب کہ لڑکا بھی پیاسا ہے۔ بی بیؑ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کہیں پانی دکھائی نہ دیا۔ سامنے ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی' دوڑتی ہوئی اس پر چڑھ گئیں کہ بلندی پر جا کر دیکھوں شاید پانی کہیں نظر آ جائے۔ پانی تو نہ دکھائی دیا مگر سامنے ایک اور پہاڑی دکھائی دی تو بی بیؑ اس پہاڑی سے دوڑتی ہوئی اس پہاڑی تک چلی گئیں۔ اب وہاں بھی پانی نہیں ہے وہاں سے اضطراب میں پھر پلٹیں۔ اِدھر سے اضطراب میں پھر اُدھر گئیں۔ اس طریقے سے بی بیؑ نے پہاڑیوں کے بیچ میں سات چکر لگائے مگر پانی نہ ملا۔

اللہ کو بی بی ہاجرہؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس کو سعی کا نام دے کر ارکانِ حج میں واجب قرار دے دیا۔ اب جو شخص بھی حج کو جائے اور سعی نہ کرے تو اس کا حج صحیح نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا کسی سے پوچھیے کہ یہ کیا ہے جو حاجی دوڑتے ہوئے صفا سے مروہ

اور مروہ سے صفا کی طرف آتا ہے؟ کہیں گے: یادِ ہاجرہؑ ہے چوں کہ ہاجرہؑ اپنے بیٹے کے لیے دوڑی تھی' اس لیے ہم بھی دوڑ رہے ہیں۔ اب سمجھے آپ کہ اسلام میں یادِ تشنہ بی منانا واجب ہے (نعرۂ حیدری)۔

ایک ماں جس کے بیٹے کو آخر کار پانی مل گیا اور حضرت اسماعیلؑ پیاسے شہید نہیں ہوئے۔ ابھی آئے گا میرے بیان میں کہ ان کو پانی کیسے ملا؟ لیکن پانی ان کو آخر کار مل گیا۔ لیکن یہ اضطراب' یہ بے چینی اور یہ دوڑنا جو پانی کی طرف تھا' یہ اللہ کو اتنا پسند آیا کہ ارکانِ حج میں شامل ہو گیا۔

اب مجھے نہیں معلوم کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کو کتنی مدت گزری۔ میرے پاس ایسی کوئی معلومات نہیں ہیں کہ جو میں آپ کو بتا سکوں کہ پانچ ہزار برس پہلے کا واقعہ ہے' سات ہزار برس پہلے کا واقعہ ہے یا آٹھ ہزار برس پہلے کا واقعہ ہے' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اتنی بات تو میں جانتا ہی ہوں کہ کم از کم چودہ سو برس سے اسلام آیا ہے' جب سے یہ سعی ہو رہی ہے۔

اب ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ صاحب! جو کچھ کربلا میں ہوا ہمیں افسوس ہے اس پر اور ہمیں پسند نہیں ہے' ہم اس واقعے کو پسند نہیں کرتے اور ہم ظالموں کے ظلم کو condemn کرتے ہیں۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا' اب چودہ سو برس کے بعد ہم اپنا سینہ پیٹ رہے ہیں تو اس سینہ پیٹنے سے کیا حاصل ہو گا اور اس کا کیا فائدہ ہے؟ میں نے کہا: آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں۔ آپ کی بات میرے دل میں اُتر

گئی مگر ایک کام کیجیے وہ یہ کہ ایک کمیٹی بٹھایئے مسلمانوں کی اور جتنی پرانی باتیں ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں ہے ان سب کو delete کر دیجیے (نعرۂ حیدری)۔

جتنی پرانی باتیں ہیں سب کو delete کر دیں۔ ہمیں حضرت ہاجرہؑ سے بھی بڑی ھمدردی ہے اور ان کے بیٹے سے بھی کیوں کہ وہ پیاسے تھے ان کی پیاس کا بھی بڑا افسوس ہے۔ مگر اس وقت وہ دوڑی تھیں، یہ ٹھیک ہے کیوں کہ ان کا لڑکا پیاسا تھا اور پانی چاہیے تھا اس لیے وہ دوڑی تھیں۔ اب جو ہم دوڑتے ہیں اس کے باوجود کہ گھٹنوں کی تکلیف بھی ہے، چلا جاتا نہیں اور دوڑتے ہیں تو بتایئے کیا کریں؟ کہا: نہیں! وہ تو واجب ہے۔

کہا: اچھا! پھر سمجھ لیجیے کہ جس طرح یادِ ہاجرہؑ میں سعی واجب ہے، ویسے ہی کربلا کے شہیدوں کی ماؤں کی یاد میں ماتم واجب ہے (نعرۂ حیدری)۔

جب پانی نہیں ملا اور حضرت ہاجرہؑ مایوس ہو گئیں تو پھر پلٹ کر اپنے بیٹے کی طرف آئیں۔ اتنی دیر میں بیٹے کی حالت اور خراب ہو چکی تھی، لیکن اللہ اللہ! کیا ماں تھی وہ، خدا کی قسم! منھ پھیر کر کھڑی ہو گئیں کہ اس کی سانس اُکھڑ رہی ہے، اب اس کا دم ٹوٹ رہا ہے اور میں نہ دیکھوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس منظر کو دیکھ کر کوئی ایسی چیز ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

منھ پھیر کر کھڑی ہو گئیں۔ بہت دیر تک منھ پھیر کر کھڑی رہیں۔ آخر ماں تھی کہاں تک منھ پھیرے کھڑی رہتیں۔ جب یہ اطمینان ہو گیا کہ بچہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا، ختم ہو گیا ہو گا تو پلٹ کر دیکھا۔ اب جو دیکھا تو قدرتِ خدا نظر آئی کہ بچہ تو

ابھی زندہ ہے اور اس کے پیروں کے پاس سے پانی نکل رہا ہے۔ بی بیؓ نے جلدی جلدی اس پانی کو لیا اور اپنے بچے کو پلایا۔ پانی نے بچے پر آبِ حیات کا کام کیا اور پانی پی کر بچہ تر و تازہ ہو گیا۔ پھر ظاہری بات ہے اتنے چکر لگائے تھے' دوڑی تھیں' دھوپ تھی اور مکے کی دھوپ میں خود بھی پیاسی تھیں' اس لیے خود بھی پانی پیا۔

پانی نکل رہا ہے' وہیں جنگل کی مٹی' کنکریاں اور جو وہاں ہوتا تھا زمین پر' اس سب کو گھیر گھار کر پانی کا ایک "چُھقَّر" جیسا بنا دیا' جس کو ہماری اُردو زبان میں "چُھقَّر" کہتے ہیں۔ انگریزی میں کیا کہتے ہیں' عربی میں کیا کہتے ہیں؟ مجھے معلوم نہیں۔ یوں گھیرا بنا کر پانی کے گرد منڈیریں اُٹھا کر پانی کو ایک جگہ پر جمع کر دینا اس کو چُھقَّر کہتے ہیں۔

ہماری زبان میں چُھقَّر بنا دیا تو اس میں پانی لبالب بھر گیا اور پھر دھوپ پڑ رہی ہے چوں کہ اُوپر سورج ہے اور نیچے پانی کا چُھقَّر ہے لہٰذا یہ پانی سورج کی روشنی میں چمک رہا ہے۔ آسمان پر کچھ پرندے اُڑ رہے ہیں انھوں نے دیکھا' وہ پرندے بھی پیاسے تھے۔ وہ پرندے نیچے اُترے اور اُتر کر اس چُھقَّر سے پانی پیا اور پانی پینے کے بعد پھر اُڑ گئے اور اُڑ کر اب کی مرتبہ وہ آسمان پر اُڑنے کے بجائے پانی کے اردگرد گول چکر لگانے لگے۔ نیچے پانی ہے اور اُوپر پرندے گول چکر کاٹ رہے ہیں۔

اسی دوران بہت دور جنگل میں ایک قبیلہ پیاسا بھٹک رہا تھا' جس کا نام تاریخ میں بنو جُرہم تھا اور پیاس سے ان کی حالت غیر تھی۔ ان کے سردار نے دیکھا

کہ ایک جگہ پر پرندے اُڑ رہے ہیں وہ نہ آگے بڑھتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹتے ہیں تو اس نے سوچا ہو نہ ہو کہ یہاں پانی ہو۔ وہ اُن پرندوں کی سیدھ لیتا ہوا چلا آیا اور چلتے چلتے اس جگہ پر آیا جہاں حضرت ہاجرہؓ بیٹھی تھیں اور جہاں وہ پانی موجود تھا۔ اس نے یہاں آ کر یہ منظر دیکھا کہ ایک بی بیؓ تشریف رکھتی ہیں گود میں ایک بچے کو لیے ہوئے اور پانی بھی موجود ہے۔

پیاس سے بے حال تھے وہ لوگ، مگر تمیزدار تھے۔ سردار آگے بڑھا اور اس نے سب سے پہلے بی بیؓ کو سلام کیا تو بی بیؓ نے بھی سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا: بی بیؓ! ہم لوگ بہت پیاسے ہیں اگر اجازت ہو تو اس پانی میں سے پی لیں؟ بی بیؓ نے فرمایا: پی لو۔

پورے قبیلے نے سیر ہو کر پانی پیا جتنا پی سکتے تھے پیاس کے عالم میں، اتنا انھوں نے پیا مگر پانی میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ پانی اتنے کا اتنا ہی رہا۔ سردار پھر آگے بڑھا اور اس نے عرض کیا: بی بیؓ! پانی تو اتنا ہی ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے بڑی پیاس کی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور بڑی زحمتیں جھیلی ہیں، اگر آپؓ اجازت دیں تو ہم اپنی مشکیں بھر لیں۔

بی بیؓ نے فرمایا: بھر لو۔

یہ لیجیے! انھوں نے ساری مشکیں بھر لیں اور پانی کے جو برتن تھے ان کے پاس وہ سبھی بھر لیے۔ پانی اب بھی اتنے کا اتنا ہی ہے۔ سردار پھر آگے بڑھا اور عرض کیا: بی بیؓ! برتن بھی بھر گئے اور پانی کی مشکیں بھی بھر گئیں، پانی کم نہیں ہوا،

ابھی ہمارے جانور بھی بہت پیاسے ہیں کئی دنوں سے ان کو بھی پانی نہیں ملا ہے اگر اجازت ہو تو ان کو بھی پلا دیں؟

بی بیؑ نے فرمایا: پلا دو۔

اے لیجیے! ان کو بھی پانی پلا دیا گیا۔

اب ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ جو پانی بیٹے کی جان کی قیمت پر ملا ہو وہ اتنی فراخ دلی سے تقسیم ہو رہا ہے کہ جانور بھی پی لیں' قبیلے والے بھی پی لیں اور مشکیں بھی بھر جائیں۔ معلوم ہوا کہ پانی پلانے میں کنجوسی کا سوال ہی نہیں اس لیے تو سخاوت کے ساتھ پانی بٹ رہا ہے۔ جس نے اس طریقے سے سخاوت کی ہو تو اگر اللہ کسی کو اسی کی نسل سے ساقی کوثر بنا دے (نعرۂ حیدری)۔

فرمایا: بی بی ہاجرہؑ! گھبرایئے نہیں ساقی کوثر آپؑ ہی کی نسل سے ہو گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس طریقے سے پانی تقسیم ہوتا رہا اور بی بیؑ نے کچھ فرمایا نہیں۔

اس میں ایک بات قابل غور ہے اور اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھیے گا کہ وہ سردار جو تھا آج سے ہزاروں برس پہلے کا آدمی تھا مگر آدمی کیا ہے؟ آدمی کے کردار سے اس کی تعریف ہوتی ہے اور کردار ہی سے مذمت۔ اگر قابل تعریف کردار ہو تو تعریف ہو گی کردار کی۔ اگر قابل مذمت کردار ہے تو مذمت کردار کی ہو گی۔ وہ پرانا آدمی سہی' ہزاروں سال پہلے کا آدمی سہی مگر تمیز دار آدمی تھا۔ اس نے جو قدم بھی اٹھایا بی بی ہاجرہؑ سے پوچھ کر اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہزاروں سال بعد بھی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے ہم اس کی تعریف کر رہے ہیں۔ بس! یہی

شکایت ہم کو دنیا والوں سے ہے کہ کچھ انھوں نے لیا ہے وہ جو آلِ محمدؐ سے چھین کر لیا ہے اگر مانگ کر لے لیتے تو کیا ہوتا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

جب تمام جانور بھی پانی پی چکے تو قبیلے کے سردار نے عرض کیا: بی بیؑ! یہ کوئی بہت بڑا چشمہ معلوم ہوتا ہے۔ اتنے بڑے قبیلے نے پانی پیا اتنی مشکیں بھری گئیں اتنے جانوروں نے پانی پیا اس میں اک بوند کی کمی تو ہوتی مگر اس میں تو اک بوند کی کمی بھی نہیں ہوئی۔ ہمیں پانی کی تلاش ہے اور ہم پانی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں اگر آپؑ اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جائیں؟

پھر سردار نے عرض کیا: آپؑ کے کیا معاملات ہیں ہمیں معلوم نہیں لیکن اس صحرا میں اس جنگل میں اس ویرانے میں آپؑ کے لیے کھانا کہاں سے آتا ہے پانی کہاں سے آتا ہے اور کیا انتظام ہوتا ہے یہ سب ہمیں معلوم نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جائیں؟ پانی آپؑ ہی کی ملکیت ہے ہم مانتے ہیں۔ مالک اس پانی کی آپؑ ہی ہیں مگر پئیں گے ہم بھی اور استعمال میں ہمارے بھی رہے گا۔

بی بیؑ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ۔

جیسے ہی بی بیؑ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تو ویسے ہی سردار نے اشارہ کیا اور قافلہ اُتر پڑا۔ خیمے لگنے لگے چولہے بن گئے بچے ماؤں کی گود سے اُتر کر کھیلنے لگے پتیلیاں چڑھ گئیں اور پورا شہر آباد ہو گیا۔ یہ جو مسجد الحرام بنی ہوئی ہے اب تو

extension ہو گیا ہے۔ extension ہونے سے پہلے والی مسجد الحرام کے آثار ابھی بھی ہیں۔ یہیں چاروں طرف ان قبیلے والوں کے خیمے لگے تھے اور اب جہاں پر خانہ کعبہ بنا ہوا ہے' یہاں پر ہی بی بی ہاجرہؓ کا خیمہ لگایا گیا تھا اور انھی کے خیمے کے سامنے چشمہ تھا جو ان کی ملکیت تھا۔ شام ہوتے ہوتے وہاں پر بستر بھی تھا' خیمہ بھی تھا' ڈیرہ بھی تھا' بچے بھی تھے' عورتیں بھی تھیں' کھانا بھی تھا اور پانی بھی تھا۔ اس کو کہتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ......

''جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لیے کافی ہے''۔

یہ توکل علی اللہ کی علامت ہے۔ یہ حضرت ہاجرہؓ کی کہانی ہے جن کو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ حضرت ہاجرہؓ اسماعیلؑ کے ہم راہ یہاں رہتی رہیں اور اسماعیلؑ کا سن و سال بڑھتا رہا یہاں تک کہ اسماعیلؑ جوانی کی حدوں میں آ گئے۔

ایک مدت گزر گئی بی بی ہاجرہؓ کو یہاں رہتے ہوئے کہ ایک مرتبہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ پر وحی کی کہ ابراہیمؑ! ایک بیوی تمھاری اور بھی تو ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: ہاں! معبود ہے تو۔

اللہ نے فرمایا: پھر تم نے اس کی کوئی خیر خبر نہیں لی؟

عرض کیا: معبود! چوں کہ تُو نے اس کو بھجوایا تھا وہاں' اس لیے ڈر کے مارے میں نے کوئی خیر خبر نہیں لی کہ کہیں مزاجِ شریعت کو ناگوار نہ گزرے۔

ارشادِ قدرت ہوا: اچھا! جاؤ ہم کہتے ہیں اور جا کر دیکھو تو سہی کہ وہ کس حال میں ہیں۔ کوئی خیر خبر تو لو جا کر اس کی۔

اب حضرت ابراہیمؑ پھر چلے اور چلتے چلتے وہاں پہنچے جہاں پر حضرت ہاجرہؑ کو چھوڑ کر آئے تھے۔ یہاں دیکھا تو پوری ایک بستی آباد ہے' پورا ایک شہر آباد ہے اور اس شہر میں حضرت ہاجرہؑ ایک ملکہ کی حیثیت سے رہ رہی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ شان دیکھی تو شکرِ خدا کیا اور شکرِ خدا کرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ معبود! تُو نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ باوجود ضعیفی کے' مجھ کو اسحٰقؑ و اسماعیلؑ جیسے فرزند عطا کیے لہٰذا میں تیرا گھر بناؤں گا۔

اللہ کے گھر کی زمین تو پہلے سے طے تھی' اس لیے ہاجرہؑ کا خیمہ وہاں سے ہٹایا گیا' ایک طرف کیا گیا اور جس جگہ بی بی ہاجرہؑ کا خیمہ لگا ہوا تھا' وہاں پر اللہ کا گھر بننا شروع ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کا گھر بنا رہے تھے۔ اسماعیلؑ اب بڑے ہو چکے تھے' وہ پتھر اُٹھا اُٹھا کر دے رہے تھے اور حضرت جبرئیلؑ مٹی کا گارا بنا کر دے رہے تھے' جس سے جڑائی ہو رہی تھی اور حضرت ابراہیمؑ گھر بنا رہے تھے اور گھر بنانے میں اللہ سے دعا بھی کر رہے تھے۔

عزیزانِ گرامی!

غور طلب بات یہ ہے کہ اس حالت میں جو دعا کی جائے وہ قبول ہو گی کہ نہیں ہو گی۔ پہلے مجھے یہ بتایئے کہ اگر ایسے بندے کی دعا ایسے عالم میں بھی خدا قبول نہ کرے تو پھر ہم تو کبھی کوئی دعا مانگیں گے نہیں اس لیے کہ ابراہیمؑ جیسے کی

دعا قبول نہیں ہوئی تو ہم کیا چیز ہیں، ہم کیا دعائیں مانگیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اِدھر ابراہیمؑ گھر بنا رہے تھے اور دعا بھی مانگ رہے تھے:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

"اور (وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور دعا مانگتے جاتے تھے کہ ہمارے پروردگار ہماری (یہ خدمت) قبول فرما، بے شک تو ہی سننے اور جاننے والا ہے" (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۷)۔

جس وقت ابراہیمؑ گھر کی دیواریں بلند کر رہے تھے، خانہ کعبہ بن رہا ہے، اللہ کے گھر کی تعمیر ہو رہی ہے، حضرت ابراہیمؑ چنائی کر رہے ہیں، جبرئیلؑ گارا بنا کر دے رہے ہیں اور اسماعیلؑ پتھر لا کر دے رہے ہیں۔

یہ واحد گھر ہے جو ایسے بنا ہے کہ جس میں غیر معصومؑ کا ہاتھ نہیں لگا۔ یہ کعبہ بن رہا ہے۔ یہ دست و زبان گھر بنا رہے ہیں اور اِدھر دل جو ہے وہ اللہ کی طرف لگا ہوا ہے اور اللہ سے مناجات ہو رہی ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (سورۂ ابراہیم: آیت ۳۷)

"اے ہمارے پالنے والے! میں نے تیرے معزز گھر
(کعبہ) کے پاس ایک بے کھیتی کے ویران و بیابان (مکہ)
میں اپنی (کچھ) اولاد کو لا کر بسایا ہے تا کہ اے ہمارے
پالنے والے! یہ لوگ برابر یہاں نماز پڑھا کریں تو تو کچھ
لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر (تا کہ وہ یہاں آ کر
آباد ہوں) اور انھیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا
کرتا کہ یہ لوگ تیرا شکر کریں"۔

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

"اے میرے معبود! میں نے اس لیے ٹھہرایا ہے تا کہ یہاں
نماز قائم کریں"۔

دیکھیے! جملہ قرآن کا ہے غور کیجیے گا!

پالنے والے! میں نے اس لیے اپنے خاندان والوں کو یہاں ٹھہرایا ہے تا کہ نماز قائم کر سکیں، نماز پڑھیں اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ ایک ایسی جگہ جہاں چاروں طرف کوئی آبادی نہ ہو اگر آپ ایک مسجد بنا کر چلے آئیں تو اس مسجد کا کیا فائدہ ہے؟ وہاں نماز کون پڑھے گا؟ جھاڑو کون دے گا؟ صفائی کون کرے گا؟ وہاں چراغ کون جلائے گا؟ حتیٰ کہ مسجد خالی ویران پڑی رہے گی۔ لہٰذا اگر آپ نے جنگل میں مسجد بنائی ہے تو اس جنگل میں مسلمانوں کی بستی بھی بنائیے تا کہ مسجد آباد رہے۔ ابراہیمؑ دعا یہ کر رہے ہیں: پالنے والے! میں نے تیرے محترم گھر

کے پاس اپنی ذریت میں سے کچھ لوگوں کو آباد کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کرسکیں۔

اب مجھے انصاف سے بتایئے! جب تک اسلام نہ آ جائے اس وقت تک نسلِ ابراہیمؑ میں کوئی ایسا ہونا چاہیے جو نماز پڑھتا ہو۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ کے خاندان والے سب کافر ہو گئے اور ابوطالبؑ تو پکے کافر تھے (یہ سمجھ ہی میں نہ آیا آج تک کہ دشمنی کیا ہے جو ابوطالبؑ سے نکالی جارہی ہے)۔ اب جب کہ تمھاری نظر میں سب کافر تھے تو کیا ابراہیمؑ کی دعا اللہ نے رد کردی جو کوئی ان کے گھر میں نماز پڑھنے والا نہ رہا۔

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ

"پالنے والے! تاکہ نماز قائم کریں"۔

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے نماز قائم کی خانہ کعبہ میں اور حضرت ابوطالبؑ نماز پڑھتے تھے۔ اب نماز کیسے پڑھتے تھے؟ نمازیں بھیا! بہت سی ہیں۔ صبح کی نماز دو رکعت ہے، مغرب کی تین رکعت ہے اور عشا کی چار رکعت ہے۔ ہر ایک کی شکل الگ ہے۔ نمازِ جمعہ کی صورت الگ ہے، عیدین کی نماز کی صورت الگ ہے، زلزلے کی نماز کی صورت الگ ہے اور میت کی نماز کی صورت الگ ہے۔ آپؑ کیسی نماز پڑھتے تھے، یہ ہم نہیں جانتے لیکن نماز پڑھتے تھے۔

حضور! وہ تو کافر تھے۔ اسلام نہیں لائے وہ تو کافر تھے اور جہاں ذکر آیا ابوسفیان کا تو کہتے ہیں: جی ہاں! جی ہاں! جی ہاں! وہ مسلمان ہو گئے تھے، انھوں نے تو کلمہ پڑھ لیا تھا۔ ہندہ مسلمان ہو گئی تھیں، انھوں نے بھی کلمہ پڑھ لیا تھا۔

اے ہائے اللہ رے کفر! اللہ رے اسلام! اب سمجھ میں آیا کہ جو ناناؐ کو پالے وہ کافر، جو نواسےؑ پر روئے وہ بھی کافر اور جو ناناؐ سے لڑے وہ مومن، جو نواسےؑ سے لڑے وہ بھی مومن (نعرۂ حیدری)۔

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

"پالنے والے! یہاں پر میں نے مہمان بنایا ہے اپنے خاندان والوں میں سے کچھ لوگوں کو تاکہ وہ نماز قائم کریں"۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ

"پالنے والے! انسانوں میں سے کچھ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے"۔

دیکھیے! قرآن پڑھ لیجیے! جو میں کہہ رہا ہوں اگر قرآن میں نہ ہو تو میں ذمہ دار ہوں۔

"پالنے والے! انسانوں میں سے کچھ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے"۔

کس کی طرف؟ آلِؑ رسولؐ کی طرف۔

اب سمجھے آپ! یہ آپ ہی ہیں جن کے دل موڑے گئے ہیں آلِؑ رسولؐ کی طرف، ان کی طرف سے سب مسلمانوں کے دل نہیں موڑے گئے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ

"پالنے والے! کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے"۔

اب میں آپ کو دلوں کی پہچان بتا دوں وہ یہ کہ جس کی طرف دل موڑا ہوا ہوتا ہے اگر اس کو کوئی برا کہے تو آدمی کو برا لگتا ہے اور جس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اگر اس کو کوئی برا کہے تو پرواہ نہیں ہوتی۔ جن کے دل نہیں مڑے ہیں وہی لوگ حضرت ابو طالبؑ کو کافر کہتے ہیں اور جن کے دل مڑے ہوئے ہیں' وہ کافر کہنے پر بگڑتے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

اب میں تو سیدھی سی بات کہتا ہوں! تاریخ کہتی ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کا انتقال ہوا تو رسولؐ خدا میت کے آگے آگے چل رہے تھے اور علیؑ جنازہ اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔ رسالتؐ و امامتؑ نے جس کفر کو مل کر دفن کیا' اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہوگی اور اس سے بڑھ کر عزت کیا ہوگی۔ میں ایک بات اکثر کہتا ہوں' یہ کوئی نئی بات نہیں پرانی بات ہے اور بہت سی باتیں پرانی بھی ہوتی ہیں مگر معاملہ یہ ہے یہاں کہ مان لیجیے! آج سے دس برس قبل ہم نے یہیں مجلس پڑھی۔ اس دس برس کے عرصہ میں بہت سارے لوگ تو اس دنیا سے چلے گئے ہوں جو آج نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو وہ کسی وجہ سے آ نہیں سکے اور ایک بہت بڑی generation جو دس برس کے اس عرصہ میں سمجھ دار ہوئی ہے وہ موجود ہے مجلس میں۔ اس لیے ہم اپنی بہت سی پرانی باتیں repeat کر دیتے ہیں اس کے باوجود یہ جانتے ہوئے کہ ہم پڑھ چکے ہیں مگر پھر بھی repeat کر دیتے ہیں تاکہ وہ باتیں دماغ میں رہیں اس لیے کہ یہ اسکر ہیں' یہ دماغ میں چپکے رہ جاتے ہیں۔

دیکھیے! ہم ہندوستان میں رہتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندو کے تعلقات

مسلمان سے ہیں اور مسلمان کے تعلقات ہندو سے ہیں۔ ہمارے بھی ایک لالہ سے تعلقات تھے ایک ہندو سے بہت دوستی تھی' بہت تعلقات تھے اور بہت اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ایک ساتھ رہنا' کھانا پینا' سب کچھ تھا۔ اتفاق سے لالہ بیمار ہو گئے۔ ہم سے جتنا ہو سکا ہم ڈاکٹر پر ڈاکٹر لائے' حکیم پر حکیم لائے' علاج کیا اور دوا کی' سب کچھ کیا مگر لالہ اچھے نہیں ہوئے اور آخر ایک دن ان کو موت آ گئی۔ بس! جیسے ہی موت آئی ویسے ہی ہم دو گز دور جا کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے کہا: اِن کے خاندان والوں کو بلاؤ' بھائی! ان کے قوم و قبیلے والوں کو بلاؤ اور پوچھو کیا ہوتا ہے ان کے ہاں' وہ سب کرو۔

پنڈت آئے' یہ آئے' وہ آئے۔ انھوں نے کہا: ان کو اتنا یہ چاہیے جلانے کے لیے اور اتنا وہ چاہیے۔ اتنے برہمن کھلائے جائیں گے اور فلاں جگہ پر شمشان میں جا کر ان کی لاش جلائی جائے گی۔ یہ ہوگا' وہ ہوگا۔

ہم نے کہا: جو کچھ بھی ہے روپے کی تھیلی ہمارے پاس ہے' ہم نکال کر دیتے رہیں گے۔ اب تو شہر میں واہ واہ ہو جائے گی کہ مولوی صاحب نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ جو کہتے رہے لوگ وہ سب کرتے رہے اور بڑے انتظام سے' بڑے اہتمام سے لالہ کو دفن کروایا' جلوایا جو کچھ بھی کیا۔

اس کے برعکس اگر لالہ کے مرنے کے بعد ہم قاری بلانا شروع کر دیں اور غسل کے لیے پانی رکھوانا شروع کر دیں اور قبر کے لیے جگہ ڈھونڈنا شروع کر دیں تو یقین مانیے کہ ہندو خفا ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہندو کا

جنازہ مسلمان کے طریقے پر ہو۔ وہ ہم سے میت کو چھین کر لے جائیں گے اور اگر ہم زیادہ ضد کریں گے تو شہر میں tension ہو جائے گی' لڑائی ہو جائے گی' ہندو مسلم فساد ہو جائے گا اور جانیں چلی جائیں گی۔ جس کی میت ہوتی ہے وہ لے جاتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

فرض کرو ہم نے مانا کہ حضرت ابوطالبؑ کافر تھے (نعوذباللہ) اور زندگی بھر وہ بھتیجے کے ساتھ رہے۔ چلو یہ بھی مان لیا کہ وہ زندگی بھر بھتیجے کے ساتھ رہے لیکن جب مر گئے تو ان کا سگا بھائی ابولہب کہاں مر گیا تھا جو میت لینے کے لیے نہیں آیا۔

عزیزانِ گرامی!

رسولؐ و علیؑ کے ہاتھوں دفن ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مومن تھے تبھی تو رسولؐ کے ہاتھوں دفن ہوئے۔ اب ذہن میں ایک بات آ گئی ہے جو موضوع سے الگ سہی مگر کیا کروں بات میں بات آ جاتی ہے تو کہنا پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات تو ہندو مسلمان کی ہے۔ ایک ہندو ہمارا دوست تھا' وہ مر گیا تو ہم نے ہندوؤں کے طریقے سے اس کا سب کچھ کروا دیا۔

اب آئیے مسلمان!

بدنصیبی سے مسلمان ایک نہیں ہیں' مسلمانوں میں کئی فرقے ہیں۔ اب مسلمان مر گیا تو جس مسلمان کا جی چاہے گا وہ میت دفن کر دے گا۔ بھئی! مسلمان تھا' مسلمان ہونے میں شک نہیں پھر بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ سنی ہے یا شیعہ ہے' وہابی ہے یا دیوبندی ہے کہ کون ہے؟ غوری ہے یا اسماعیلی ہے وہ کیا ہے؟ دیکھنا پڑے گا

کہ کون سا مسلمان ہے تاکہ اُنھی کو بلایا جائے۔

اگر شیعہ مرا ہے تو تجہی ہاؤس میں بھیجا جائے گا کہ آپ کا ایک آدمی مرگیا ہے۔ مسلم یتیم خانے سے نہیں آئے گا' اس لیے کہ مرنے والا شیعہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جو جس مذہب کا ہوتا ہے' اُسی مذہب کا آدمی اس کو غسل و کفن دیتا ہے۔ دوسرے فرقے کا آدمی اس کو غسل و کفن نہیں دیتا۔ اب تاریخ بالاتفاق لکھتی ہے کہ رسولؐ کو غسل و کفن علیؑ نے دیا (نعرۂ حیدری)۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مولا علیؑ نے غسل و کفن دیا اور آخری اُمور انجام دیے۔ اب اگر محمدؐ کا دین چاہیے تو دامن علیؑ سے وابستہ ہو جائیے' جب تک دامن علیؑ سے وابستگی نہیں ہوگی تب تک دینِ محمدؐ سمجھ میں نہیں آئے گا۔

عزیزانِ گرامی!

یہ نسل ابراہیمؑ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ بنایا اور جب دیواریں اُونچی ہوتی ہیں تو ضرورت ہوتی ہے کہ جو بنانے والا ہے' وہ کسی اُونچی جگہ پر بیٹھے تاکہ دیواروں کی چنائی کرسکے۔ اس کو ہماری اُردو زبان میں "پاڑ" کہتے ہیں۔ ایک platform ایسا بنا دیا جاتا ہے جس پر بیٹھنے کے بعد کاریگر دیوار بناتا ہے۔

خانۂ کعبہ بناتے وقت platform نام کی کوئی چیز نہیں تھی' صرف ایک بڑا سا پتھر تھا جو آج بھی خانۂ کعبہ میں موجود ہے۔ خانۂ کعبہ کے دروازے کے سامنے سونے کا ایک پنجرا ایسا رکھا ہوا ہے جس میں وہ پتھر ہے اور اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے پیروں کے نشان بھی ہیں اور وہی پتھر طواف کی علامت بھی ہے کہ کعبے

سے لے کر اس پتھر تک طواف کیا جا سکتا ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ کے پاس وہ پتھر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر خانۂ کعبہ کی دیواروں کی چنائی کرتے تھے اور اللہ نے اس پتھر کو آٹومیٹک کر دیا تھا۔ اب آپ کہیں گے کہ اسے automatic کیسے کر دیا تھا؟ بھئی! اس کو کھسکانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی' جیسے جیسے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں کا پھیلاؤ بڑھتا جاتا تھا' پتھر خود بہ خود کھسکتا جاتا تھا۔ اس طریقے سے حضرت ابراہیمؑ خانۂ کعبہ بناتے بھی جا رہے تھے اور طواف خانۂ کعبہ بھی کرتے جا رہے تھے۔ ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ بنایا بھی اور بناتے وقت طواف بھی کیا۔

عزیزانِ گرامی!

یہ نسلِ ابراہیمؑ کی ہسٹری تھی جو میں نے آپ کو سنائی۔ یہ ہسٹری ابھی ختم نہیں ہوئی ہے مگر میرے پاس وقت ختم ہو گیا ہے لہٰذا اب جو کچھ بھی عرض کرنا ہے وہ کل عرض کروں گا۔ آج تو صرف اتنا کہ جو کعبہ ابراہیمؑ نے بنایا تھا' اس کعبے کی توہین کرنے کے لیے یزید نے خنجر دے کر لوگوں کو بھیجا تھا تا کہ زمین کعبہ فرزند اسمٰعیلؑ کے خون سے لال ہو سکے اور زمین کعبہ پر فرزند ابراہیمؑ کو بے دردی سے بے جرم و خطا شہید کیا جا سکے۔

ذکرِ مصائب: عونؑ و محمدؑ کی شہادت

ہمارے لاکھوں سلام ہوں حسینؑ ابن علیؑ پر' جنھوں نے زمین کعبہ کی

عزت کو بچایا اور حج کو عمرہ مفروضہ سے بدل کر خانہ کعبہ کو چھوڑ دیا تاکہ زمین کعبہ پر وہ خون نہ بہے جس خون نے کائناتِ عالم میں آگ لگا دی۔

عزیزانِ گرامی!

آج محرم کی پانچویں رات آ گئی اور پانچویں رات کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ آدھا محرم تمام ہو گیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ سیدہؑ کا لالؑ ہمارے گھر میں مہمان آیا تھا۔ اب ان کے مصائب بیان ہوتے ہیں جو حسینؑ کے دل کے ٹکڑے تھے۔

روایت بتاتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ، امام حسینؑ کے ساتھ آنا چاہتے تھے اور جب حضرتؑ کا قافلہ مکہ سے نکلا تو ایک منزل تک باوجود اپنی بیماری کے حضرت عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ، امام حسینؑ کے ساتھ چلے لیکن ایک منزل کے بعد امام حسینؑ نے ان سے فرمایا: میں آپؓ کو حکم امامت دیتا ہوں کہ آپؓ واپس چلے جائیں۔

جب عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ کو امام حسینؑ نے واپس کر دیا تو عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ نے عرض کیا: اچھا! میں تو جا رہا ہوں مگر میرے بچوں کو آپؑ لیتے جائیے اور عونؑ و محمدؑ کو لیتے ہوئے امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے۔ لیکن میں کیا کہوں اس ماں کو جس کو اپنے بیٹوں کا خیال نہیں تھا اگر خیال تھا تو حسینؑ کے بیٹے کا خیال تھا۔ حضرت زینبؑ نے کبھی عونؑ و محمدؑ کے لیے کچھ نہ کہا۔ ہاں! ہمیشہ علی اکبرؑ کے لیے سب کہا۔

جب قربانی کا بازار گرم ہوا اور راہِ خدا میں بنی ہاشمؑ کی قربانیاں شروع

ہوئیں تو سب سے پہلے اولادِ عقیلؑ نے اپنی قربانی دی اور جب اولادِ عقیلؑ قربان ہو چکی تو عونؑ و محمدؑ نے اجازت مانگی۔ دونوں بھانجے حسینؑ کے امام حسینؑ سے اجازت مانگ رہے تھے۔ نہ پوچھیے کہ دل پر کیا گزری ہو گی مگر ایک طرف بہن کا اصرار کہ بھیا! میری قربانی کو رد نہ کیجیے گا' میرے ہدیے کو واپس نہ کیجیے گا۔ دوسری طرف بچوں کا اصرار کہ مولاؑ! ہمیں شہادت کی اجازت دیجیے۔ زینبؑ کے دل کے ٹکڑے تھے' پروردہ آغوشِ زینبؑ تھے۔ یہاں پر مجھے تو میر انیسؒ کی بہت یاد آتی ہے:

تم کیوں کہو کہ لال، خدا کے ولی کے ہو
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہو

بچے مقتل میں آئے اور بڑی شان سے لڑے۔ اس شان سے لڑے کہ لشکر کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ ظالموں نے کہا کہ یہ اس طرح سے لڑ رہے ہیں کہ ان سے مقابلہ ناممکن ہے۔ آخرکار چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر کر بچوں کے درمیان تفرقہ پیدا کیا اور تفرقہ پیدا کرنے کے بعد ان بچوں کو شہید کر دیا۔ اب حسینؑ آئے کمر تانے ہوئے۔ ایک کی میت حسینؑ نے اُٹھائی اور ایک کی میت عباسؑ نے اُٹھائی۔ اے بی بی زینبؑ! آپؑ کے لال آ رہے ہیں بدر کے چاند دولہا بنے ہوئے آ رہے ہیں۔ ایک بچہ حسینؑ کی آغوش میں ہے اور ایک عباسؑ کی آغوش میں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ ہفتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (سورۃ آل عمران: آیت ۳۳)

ارشادِ رب العزت ہے:

''یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم میں''۔

عزیزانِ محترم!

تمام عالموں میں اللہ نے ان کا انتخاب کیا۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کل آلِ ابراہیمؑ کا تذکرہ تھا کہ کس طریقے سے حضرت ابراہیمؑ کی ایک زوجہ مکہ میں آ کر مقیم ہوئیں اور کس طریقے سے وہاں آبادی ہوئی اور کس طریقے سے وہاں انتظامات ہوئے۔ یہ سب ہمارے اور آپ کے درمیان گفتگو رہی مگر کل ہمارا موضوع تمام نہیں ہوا لہٰذا آج اس موضوع کو تمام کرنا ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ جوان ہو گئے تو وہیں بنی جرہم کے قبیلے میں ایک لڑکی حضرت ہاجرہؑ نے پسند کی اور اس لڑکی کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کی شادی کر دی گئی۔ اس طریقے

سے نسل ابراہیمؑ چلی۔ حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہوئی بنو جرہم میں اور پھر اسی قبیلے سے حضرت اسماعیلؑ کی نسل چلی۔

کل میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے مکہ میں آئے تھے اور نہ صرف یہ کہ مکہ میں تشریف لائے بلکہ مکہ میں آنے کے بعد انھوں نے اللہ کا گھر بھی بنایا۔ جب اللہ کا گھر بن کر مکمل ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ کچھ دن مکہ میں رہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ قرآن میں بھی یہ پورا واقعہ موجود ہے، پڑھ لیں۔ چنانچہ جب وہ خواب دیکھ کر اُٹھے تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ...... (سورۂ صافات: آیت ۱۰۲)

”ابراہیمؑ نے کہا: بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خود تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اس معاملے میں تمھاری کیا رائے ہے؟“

دیکھیے! حکم نہیں دے رہے ہیں، زبردستی نہیں کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہہ رہے کہ مجھے حکم پروردگار ہوا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر کے رہوں گا۔ نہیں! بہت ہلکا کر کے معاملے کو بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اس میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس خواب کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

بیٹا بھی نبی تھا کوئی معمولی نہیں تھا۔ فوراً سمجھ گئے کہ میرا باپ نبی ہے اور نبی

کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے باپ کو جو خواب دکھایا گیا ہے وہ خواب نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی ہے کہ اسماعیلؑ کو ذبح کر دو۔ لہٰذا اس موقع پر انکار مناسب نہیں ہے۔

چلیے! ایک بات کا تو پتا چل ہی گیا کہ اگر ہم دیکھیں تو خواب ہے اور نبی دیکھے تو وحی ہے۔ جب نبی کا خواب اور ہمارا خواب برابر نہیں ہو سکتا تو ہماری ذات اور نبی کی ذات برابر کیسے ہو سکتی ہے؟

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ اگر خواب میں کوئی کچھ دیکھ لے۔ مثلاً آج میں خواب میں دیکھ لوں کہ میں دہلی کا بادشاہ بن گیا ہوں اور سویرے اُٹھتے ہی حکم دینا شروع کر دوں تو لوگ کہیں گے کہ اچھے خاصے سوئے تھے آج پتا نہیں کیا ہو گیا' جیسے ہی اُٹھے ہیں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

خواب کا بھروسا نہیں ہوتا اور نہ خواب کی کوئی اہمیت ہوتی ہے مگر یہ ہمارے اور آپ کے خواب ہیں' نبی کا خواب ایسا خواب نہیں ہوتا تو بیٹے نے جواب دیا:

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ......

"اسماعیلؑ نے کہا: بابا! آپؑ وہ کام کیجیے جس کا اللہ نے آپؑ کو حکم دیا ہے"۔

باپ نے ہلکا کر کے پوچھا تھا اور بیٹے نے وزنی جواب دیا۔ بیٹا سمجھ گیا کہ یہ خواب نہیں حکم خدا ہے۔

قَالَ يٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ......

"اسماعیلؑ نے کہا: بابا! آپؑ کو اللہ نے جس کا حکم دیا ہے، وہ پورا کریں"۔

اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ

"انشاءاللہ آپؑ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

قرآن میں حضرت اسماعیلؑ کی یہ آواز آج بھی موجود ہے:

"انشاءاللہ آپؑ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

یعنی میں گلا کٹوا دوں گا اور گلا کٹوانے میں صبر کروں گا۔ بس! یہی فرق ہے آلِ محمدؐ اور پیغمبروں میں۔ جو ہم سے دنیا کہتی ہے کہ آپ پیغمبروں سے افضل مانتے ہیں۔ پیغمبروں سے افضل مفضول کی بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ بات کے لکھنے کے سلیقے پر ممتحن نمبر دیتا ہے لڑکے کو۔ ۷۰ فیصد بھی ملتے ہیں، ۸۰ فیصد بھی ملتے ہیں، ۹۰ فیصد بھی ملتے ہیں اور ۹۵ فیصد بھی ملتے ہیں۔ اب ایگزامینر سے کہیے کہ نمبروں میں فرق کیوں ہے؟

وہ کہے گا: جواب کے لکھنے کے سلیقے میں فرق ہے، اس لیے نمبروں میں بھی فرق ہے۔

دو لفظیں ہیں: ایک کا نام ہے صبر اور ایک کا نام ہے شکر۔ صبر، ہمیشہ مصیبت پر ہوتا ہے اور شکر، ہمیشہ نعمت پر ہوتا ہے۔

اچھا! ایک آدمی کا جوان لڑکا مر گیا اور آپ تعزیت کو گئے۔ وہاں جا کر

آپ کیا کہیے گا: صبر کیجیے! صبر کیجیے! جو کچھ ہوا کیا کر سکتے ہیں، صبر کریں۔

ایک آدمی کے لڑکے نے امتحان میں top کیا اور آپ اس کو مبارک باد دینے گئے۔ وہاں کیا کہیے گا کہ صبر کیجیے۔ اب صبر کا لفظ نہیں ہے بلکہ لفظ بدل جائے گا اور کہیں گے کہ شکر کریں اس لیے کہ آپ کی زندگی میں آپ کا لڑکا اتنے بڑے عہدے تک پہنچ گیا اور ایس آئی میں top کیا۔

معلوم ہوا کہ جب کوئی دولت ملتی ہے، کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر ہوتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو صبر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے موت کو قبول کیا مگر صبر کر کے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ نے موت کو قبول کیا شکر کر کے (نعرہ حیدری)۔

صبر کر کے قبول کیا:

إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

"انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔

اس کے بعد باپ اور بیٹے میں بات طے ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بی بی ہاجرہؑ سے فرمایا: بی بی ہاجرہؑ! ان کو نہلا دھلا دو اور کپڑے پہنا دو۔

بی بی ہاجرہؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو نہلایا دھلایا، کپڑے بدلوائے اور خوش بو لگائی۔ کہا: کہاں جاتا ہے خلیل اللہ؟

فرمایا: دوست کے گھر لے جا رہا ہوں۔ یہ غلط نہیں کہا۔ خلیل خدا ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔

فرمایا: دوست کے گھر لیے جا رہا ہوں۔

ماں نے بیٹے کو تیار کیا۔ باپ بیٹے کو لے کر اور چھری کو تیز کر کے اسے اپنے لباس میں چھپا کر نکلا کہ مقامِ منیٰ میں جا کر ان کو ذبح کروں گا اور اِدھر نظامِ اِبلیسیت میں تلاطم ہو گیا کہ اگر یہ واقعہ ہو گیا تو صبح قیامت تک کے لیے شیطنت اور اِبلیسیت پر بڑا ظلم ہو جائے گا اور بہت بڑی چوٹ ہو جائے گی۔ قیامت ہونے لگی کہ کیا ہو گا اور کیا نہیں ہو گا۔

بہر حال! اِدھر یہ نکلے اور اُدھر شیطان آیا اور شیطان نے آ کر ابراہیمؑ سے کہا: کہاں لے کر جا رہے ہیں؟

فرمایا: جہاں حکمِ خدا ہے وہاں لے کر جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا: کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ خواب کی باتوں پر اتنا بھروسا کہ جوان لڑکے کی گردن کاٹ دیں گے' پلٹ جائیے' گھر لے جائیے۔

اس وقت شیطان ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں نصیحت کرنے والے کی شکل میں حضرت ابراہیمؑ کے سامنے آیا۔ جیسے ہی اس نے حضرت ابراہیمؑ سے یہ جملے کہے کہ پلٹ جائیے اس کو گھر لے جائیے اور خواب کی بات پر بھروسا کرتے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے پتھر مارے اس کو اور کہا کہ دور ہو جا' میں پہچان گیا ہوں کہ تُو شیطان ہے۔

میں عرض کروں گا: ابراہیمؑ! اتنی جلدی کیسے پہچانا؟

وہ کہیں گے: کیا تُو نبی کے خواب پر اعتبار نہیں کرتا' یہ شیطان نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

وہاں سے پلٹا اور اسماعیلؑ کی طرف آیا اور کہا: صاحب زادے! کہاں جا رہے ہیں آپ؟

فرمایا: جہاں حکم خدا ہوا ہے، وہاں جا رہا ہوں۔ جہاں اللہ کی مرضی ہے، وہاں جا رہا ہوں۔

شیطان کہتا ہے: کیا باتیں کرتے ہیں، آپؑ کے ابا بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں، ان کے دماغ میں کچھ نہیں آ رہا ہے، یہ لے جا کر آپؑ کا گلا کاٹ دیں گے۔ اس لیے واپس پلٹ جایئے۔

کم سن تھے اسماعیلؑ مگر پہچان گئے اور کہنے لگے: اچھا! تُو ہے، پھر پتھر مارے انھوں نے بھی اور کہا کہ چل بھاگ یہاں سے میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔

میں عرض کروں گا: اسماعیلؑ! اس کم سنی کے باوجود آپؑ کیسے پہچان گئے؟

فرمایا: کیا دیکھتے نہیں ہو اور نبی کے قول پر اعتبار نہیں کرتے، یہ غلط بتا رہا ہے۔

وہاں سے پلٹا تو ہاجرہؑ کے پاس آیا اور کہا: بی بیؑ! آپؑ کا لڑکا کہاں گیا ہے؟

بی بیؑ نے فرمایا: خلیل خدا کے ساتھ گیا ہے۔

شیطان نے کہا: خلیل کے ساتھ تو گیا ہے مگر گیا کہاں ہے؟

بی بیؑ نے جواب دیا: اپنے دوست کے ہاں لے کر گئے ہیں۔

شیطان نے کہا: دوست کے ہاں نہیں لے کر گئے بلکہ گلا کاٹنے کے لیے لے گئے ہیں لیکن ابھی گلا کٹا نہیں، چلیے میرے ساتھ اور بچا کر لے آیئے ورنہ وہ گلا کاٹ کر ختم کر دیں گے۔

بس! جیسے ہی ہاجرہؑ نے سنا کہ چلیے چلیے وہ گلا کاٹ دیں گے اور ختم کر دیں گے تو بی بی ہاجرہؑ نے بھی اُسے پتھر مارے اور فرمایا: دور ہو جا' تو شیطان ہے۔

میں عرض کروں گا: بی بی ہاجرہؑ! آپؑ تو گھر میں بیٹھنے والی ہیں آپؑ نے کیسے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے؟

جواب دیا: کیا دیکھتے نہیں ہو کہ یہ ناموسِ نبی کو گھر سے نکالنے کی بات کر رہا ہے (نعرۂ حیدری)۔

بی بی ہاجرہؑ بھی پہچان گئیں۔ کیا یہ میں مان لوں کہ ہر زوجہ نبی پہچانتی ہے' ہاجرہؑ کے پہچاننے کے بعد۔ کیا میں یہ اعلان کر دوں کہ ہر زوجہ نبی پہچانتی ہے۔ پھر بگڑنے نہ لگیے گا اگر میں یہ اعلان کر دوں کہ ہاجرہؑ نے پہچان لیا اس لیے ہر زوجہ بھی شیطان کو پہچان سکتی ہے یعنی ہر ایک نہیں پہچانے گی بلکہ وہی پہچانے گی جو کسی معصوم کی ماں بن جائے (صلوٰۃ)۔

حضرت ابراہیمؑ لیے ہوئے آئے مقامِ منیٰ میں چوں کہ بیٹے کا معاملہ تھا لہٰذا ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ کانپ جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھری کی رفتار تیز نہ ہونے پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتحان میں کوئی لغزش ہو جائے۔ لہٰذا چھری تیز کی اور آنکھوں پر پٹی باندھی۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹے کو لٹایا اور لٹا کر چھری چلا دی۔

میں عرض کروں گا: معبود! یہ کون سا حکم دیا؟ میرے خالق! ایک بوڑھے باپ کو یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے جوان بیٹے کو ذبح کر دے۔ یہ تیری رحمانیت و رحمت کے

مزاج سے میل کھاتا ہے؟ ہم نے تو قرآن میں جو تیری شان پڑھی ہے وہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اس اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے"۔

کیا رحمان ورحیم کے یہی معنی ہیں کہ ایک بوڑھے باپ کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے جوان بیٹے کی گردن پر چھری چلا دے؟

آپ انصاف سے بتائیے! دیکھیے' اپنے مذہب کی بات الگ ہے' عقیدے کی بات الگ ہے لیکن آپ ایمان داری سے سوچ کر بتائیے کہ اگر کوئی ایسا شخص آپ کو مل جائے جس کے متعلق آپ کو یہ علم ہو کہ اس نے باپ سے اپنے بیٹے کو ذبح کروایا ہے تو اس شخص کے لیے آپ کا کیا reaction ہوگا؟

چوں کہ اللہ رحمان ورحیم ہے اور غفور ہے اس کے باوجود وہ اللہ چھری چلوا رہا ہے بوڑھے باپ کے ہاتھوں جوان بیٹے کی گردن پر۔

معبود! یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرے خالق! یہ کیسی رحمانیت ورحمت ہے؟ ممکن ہے' جواب دے: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ یہاں دو محبتیں مل رہی ہیں۔ ہم زیادہ پیارے ہیں کہ اولاد زیادہ پیاری ہے۔ جب تک اولاد چھری کے نیچے نہ رکھی جائے گی اور چھری چلے گی نہیں' اس وقت تک مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوگا کہ کون زیادہ پیارا ہے۔

ابراہیمؑ نے گردن پر چھری رکھ کر چلا دی اور گردن کی رگیں کٹتی ہوئی محسوس ہوئیں' ایسا لگا کہ تیز چھری کی دھار نیچے اتر رہی ہے' یہاں تک کہ ایک منزل وہ آئی

جب یہ احساس ہوا کہ گردن کٹ چکی ہے تو چھری پھینکی' اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور پٹی کھولی۔

اب جو دیکھا تو اسماعیلؑ سامنے کھڑے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا باپ ہوتا تو دوڑ کر گلے لگ جاتا کہ اللہ نے تمہاری زندگی بخش دی' اللہ نے تمہیں معاف کر دیا' تم زندہ رہ گئے' میرے بڑھاپے کا سہارا مگر وہ ابراہیمؑ جو خلیل اللہ تھے' بجائے خوش ہونے کے رونے لگے اور عرض کیا: معبود! کیا میری نیت میں کوئی خرابی رہ گئی جو قربانی واپس کر دی؟ کیا میرے عمل میں کوئی کمزوری رہ گئی جو تو نے اس قربانی کو واپس کر دیا؟ معبود! یہ کیا ہوا جو بیٹا میرا قربان نہیں ہوا؟

آواز آئی:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (سورۃ صافات: آیت ۱۰۵)

"اے ابراہیمؑ! تُو نے اپنے خواب کو خوب سوچ کر دکھایا"۔

ابراہیمؑ! تُو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ تم پر کوئی الزام نہیں ہے' تمہاری نیت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (سورۃ صافات: آیت ۱۰۷)

"اور ہم نے اسماعیلؑ کا فدیہ ایک ذبح عظیم (بڑی قربانی) قرار دیا"۔

ہم نے اس لیے فدیہ بھیج دیا کہ اب اس نسل میں ذبح عظیم ہو گی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (سورۃ صافات: آیت ۱۰۸)

''اور ہم نے اس کو آخر والوں کے لیے چھوڑ دیا''۔

معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ کا بیٹا ابراہیمؑ کو واپس مل گیا اور اب جو دیکھا تو وہاں ایک بہت موٹا تازہ دُنبہ کٹا ہوا پڑا ہے۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے علمائے اسلام خدا کی قسم! کسی معاملے میں آگے نہ بڑھا۔ کہتے ہیں کہ دُنبہ اس لیے موٹا تازہ تھا کہ جنت کی گھاس چرتا تھا' کھاتا پیتا تھا لہٰذا خوب اس پر چربی چڑھی ہوئی تھی وہ نہایت ہی موٹا تازہ دُنبہ تھا۔ میں کیا کہوں ان علما کو اور ان کی تحقیقات کو کہ جو وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ کے معنی تو نہیں سمجھتے لیکن دُنبے کا موٹا تازہ ہونے کا بڑا تذکرہ کرتے ہیں۔

قرآن نے کہا:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

''ہم نے اس لیے فدیہ بھیج دیا کہ اب اس کی جگہ ذبح عظیم ہوگی''۔

آج یہ قربانی ہم نے ملتوی کر دی اور یہ اس لیے ملتوی کر دی کہ اب اس نسل میں ذبح عظیم ہوگی۔

عزیزانِ گرامی!

جس کو ربِ عظیم، عظیم کہے وہ کتنا عظیم ہوگا اور اس میں بھی علما نے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ذبح عظیم سے مراد دُنبہ ہے اور ہم نے اس لیے دُنبہ بھیج دیا کہ یہ ذبح عظیم ہو گیا۔ کیا جلدی ہے خدا کی قسم! اور کیا عداوت ہے اہل بیتؑ سے؟

سمجھ ہی میں نہ آیا کہ قرآن کے صاف صاف لفظوں کو بھی سمجھ میں لانے کی کوشش نہیں کر رہے۔ "ب" قرآنِ مجید میں سترہ معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

یہاں پر "ب" جو ہے وہ reasoning کے لیے ہے۔ ہم نے اس لیے فدیہ بھیجا کہ اب ذبح عظیم ہو گی۔ reason یہ ہے کہ ذبح عظیم ہو گی۔ یہ ہے اس کا صحیح ترجمہ اور چوں کہ قرآن ہے اس لیے اس میں گڑبڑ نہیں کی جا سکتی لہٰذا دو لفظیں قرآن نے ایسی دیں: ایک فدیہ اور ایک عظیم۔ ایک ہی آیت میں دونوں لفظیں موجود ہیں:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

"ہم نے اس لیے فدیہ بھیجا کہ اب ذبح عظیم ہو گی"۔

دیکھیے! ایک آدمی کا لڑکا بیمار تھا' اس کے دوستوں نے کہا: ایسا کرو کہ ایک بکرا اس پر سے اُتار دو یعنی صدقہ کر دو' یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ ایک آدمی کا لڑکا بیمار ہے' اس سے کہہ رہے ہیں کہ ایک بکرا صدقہ کر دو اور غریبوں میں بانٹ دو' تمھارا لڑکا اچھا ہو جائے گا۔ ایک صاحب بکرا پالے ہوئے تھے اور وہ بکرا بیمار ہو گیا ان کو ہم بکرے کی دوا بتا رہے تھے۔ ہم نے کہا: لڑکے کو صدقہ کر دیجیے بکرے کے لیے انشاء اللہ اچھا ہو جائے گا۔ آپ انصاف سے بتائیے کہ یہ بھی کوئی بات ہوئی اگر ذِبح فدیہ ہے تو ذبح عظیم نہیں ہو گی اور اگر ذبح عظیم ہے تو ذِبح فدیہ نہیں ہو گا۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

''ہم نے اس لیے فدیہ بھیج دیا کہ اب اس کے بدلے ذبح عظیم ہوگی''۔

یہی ذبح عظیم تو اللہ نے دونوں واقعات کی یاد منوائی: واقعہ شہادتِ اسماعیلؑ کی یاد منائی گئی اور واقعہ شہادتِ حسینؑ کی یاد بھی منائی۔ مگر واقعہ شہادتِ اسماعیلؑ کی یاد میں اور واقعہ شہادتِ حسینؑ کی یاد میں ایک بنیادی فرق ہے۔ واقعہ شہادتِ اسماعیلؑ کی یاد جو ہے وہ خوشی کا موقع ہے، جب ایک نبی کا بیٹا بچ گیا اور تلوار نہیں چلی، خنجر نہیں چلا اور محرم جو ہے وہ غم کا موقع ہے جہاں خنجر چل گیا۔

اب زندگی میں دستور عزیزانِ گرامی! یہ ہے کہ جب کسی کے گھر میں کوئی مسرت ہوتی ہے تو روٹھے ہوئے عزیز منائے جاتے ہیں، بچھڑے ہوئے دوست ملائے جاتے ہیں، جن سے تعلقات تھے اور اب نہیں رہے ان سے تعلقات بحال کیے جاتے ہیں اور خوشامد کر کے شادی میں لایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ آئیے گا ضرور ورنہ مجھے بڑی شکایت ہوگی، اگر آپ نہ آئے تو اور جب کسی کا جوان بیٹا مر جاتا ہے تو اصرار کر کے نہیں بلایا جاتا کہ میت اُٹھنے والی ہے آئیے گا ضرور اور نمازِ جنازہ میں شریک ہو جائیے گا بلکہ صرف اعلان ہوتا ہے جس سے تعلقات ہوتے ہیں، وہ آتا ہے اور جن سے تعلقات نہیں ہوتے، وہ نہیں آتے (نعرۂ حیدری)۔

حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا واقعہ خوشی کا واقعہ تھا۔ اللہ نے واجب کی زنجیر ڈال کر مسلم برادری کو مکہ بلالیا کہ اگر آسکتے ہو، اگر استطاعت رکھتے ہو اور پیسہ

ہے تمھارے پاس تو آؤ اور آ کر اس گھر کا طواف کرو۔ اس جگہ کو دیکھو اس منیٰ کو دیکھو اور شیطان کو پتھر مارو۔

کیوں صاحب! یہ جو حج ہے جو لوگ حج کو جا چکے ہیں' میں ان سے مخاطب ہوں اور جو نہیں گئے اللہ ان کو موقع دے (آمین) لیکن جو لوگ جا چکے ہیں اس مجمع میں وہ لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں گے۔ پڑھائی بہت کم ہے' دعائیں بہت کم ہیں۔ حج جو کہ پورا practical ہے۔ کعبے کے سات چکر لگائیے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز ہے' نمازِ صبح کی طرح۔ اس کے بعد منیٰ میں جائیے اور سعی کیجیے۔ اس کے بعد صفا سے مروہ جائیے اور مروہ سے صفا جائیے۔ سات چکر لگائیے لیکن پڑھنا کچھ نہیں۔

پھر عرفات جائیے' یہاں اتنی دیر ٹھہریئے' یہاں اتنی دیر ٹھہریئے۔ یہاں ایک رات رُکیے' یہاں دو رات رُکیے۔ یہاں قربانی کیجیے' یہاں سر منڈوایئے اور یہاں شیطانوں کو پتھر ماریئے۔ بہر حال! جو کچھ ہے وہ عملی ہے۔ پڑھائی جو ہے وہ حج میں لمبی لمبی دعائیں (مستحب دعاؤں کی بات الگ ہے) واجب طور پر حج میں پڑھائی نہیں ہے بلکہ حج جو ہے وہ ایک عملی کام ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ سو برس سے ہم سے یہ کیوں کروایا جا رہا ہے؟ کعبہ کے گرد چکر لگایئے' صفا و مروہ میں دوڑیئے' منیٰ میں رہیے' عرفات میں جائیے' عرفات میں اتنی دیر رہیے' شیطانوں کو پتھر ماریئے۔ اس میں ڈمی شیطان بنے ہوئے ہیں اور اس میں صاحب ذرا سی گڑبڑ ہو جاتی ہے اور سوڈانیوں کے

قافلے آ گئے اور یہ آ گیا' وہ آدمی پھر جاتا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ ڈیڑھ سو مر گئے' دو سو مر گئے اور ڈھائی سو مر گئے۔ ہر سال اخباروں میں مرنے والوں کی تعداد چھپتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو ہوا سو ہوا ہم سے مطلب کیا۔ کہا: جی پھر ماریے۔ اس طرح ماریے' اس طرح نہ ماریے' اس طرح کیجیے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ حج کچھ characters کے گرد گھومتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ قابل تعریف character' حضرت اسماعیلؑ قابل تعریف character اور حضرت ہاجرہؑ قابل تعریف character۔ یہ تین characters قابل تعریف ہیں اور شیطان قابل مذمت character ہے۔

حج اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ان تینوں اچھے کرداروں کی یاد نہ منا لیجیے اور قابل مذمت کردار کو پتھر نہ مار لیجیے۔ جب قابل مذمت کردار کو پتھر مار لے اور قابل تعریف کرداروں کی یاد منا لی جائے تو تب حج مکمل ہوا۔

عزیزانِ گرامی!

اسی طرح محرم آتا ہے۔ محرم میں کچھ کردار قابل تعریف ہیں اور کچھ کردار قابل نفرت ہیں۔ عزاداری مکمل نہ ہو گی جب تک قابل تعریف کرداروں کی تعریف نہ ہو اور قابل نفرت کرداروں سے نفرت نہ ہو (نعرہ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی یادگار تھی اور اس یادگار کو اللہ نے ایک ایسا عمل بنا دیا کہ جب تک یہ نہ ہوں عمل مکمل نہیں ہے۔ سر منڈانے استرے سے اگر کوئی بال

رکھے ہوئے حج کو جائے اور سر نہ منڈوائے تو لوگ حاجی صاحب نہیں کہیں گے۔

سمجھے آپ! بھیا! یہ سب چیزیں واجب ہیں۔

منیٰ میں جا کر قربانی کیجیے۔ جانور ایسا ہونا چاہیے' قربانی کا جانور ویسا ہونا چاہیے اور پھینک کر نہ چلے آنا اس میں سے کچھ کھایئے بھی۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں کچھ کھا کر بھی حق احترام ادا کیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں وہاں ہوتی ہیں اور مسلمان کرتا ہے تو پھر وہی باتیں مہینہ بھر کے بعد محرم میں نئی کیسے ہو جاتی ہیں؟

مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ ارے! وہاں سر منڈوا کر آئے اور سر جھکا کر بڑے اطمینان سے منڈوالیا اُسترے سے' دو تین خراشیں بھی اگر لگیں تو لگنے دیجیے مگر سر منڈوالیا استرے سے اور یہاں آئے۔ جب علم جا رہا تھا تو ہم نے کہا کہ ٹوپی اُتار لیجیے تو اس پر اعتراض کرنے لگے۔ وہاں سر منڈوا کر آئے تو اعتراض نہیں ہے اور یہاں ٹوپی اُتار لینے پر اعتراض ہے۔

وہاں سے آئے تو کیا لائے؟

کہا: آپ کے لیے تبرکات لائے ہیں۔

تبرکات میں کیا چیزیں لائے ہیں؟

کہا: زم زم کا پانی لائے ہیں۔

یہ زم زم کا پانی کیا چیز ہے؟

کہا: اسماعیلؑ نے جو ایڑیاں رگڑی تھیں' ان کی ایڑیوں کی رگڑ سے جو پیدا ہوا وہ زم زم کا پانی لائے ہیں۔ اچھا تو پانی تبرک ہو گیا؟ (نعرۂ حیدری)

انھوں نے کہا: جی ہاں! مکہ کا پانی ہے' زم زم کا پانی ہے' اسماعیلؑ کی ایڑیوں کی رگڑ سے پیدا ہوا ہے۔

ہم نے کہا: اسماعیلؑ نے تو ایڑیاں رگڑی ہیں آج سے کئی ہزار برس پہلے اور وہ پانی جو ان کے پیروں سے مَس ہو کر نکلا ہو گا وہ تو یہ نہیں ہے۔ یہ تو نکل رہا ہے پانی چشمے سے مشین کے ذریعے سے' یہ متبرک کیسے ہو گیا؟

کہا: کیسے نہیں متبرک! کیوں کہ اس کی نسبت ہے اسماعیلؑ کی طرف۔

معلوم ہوا کہ جو چیز محترم ہوتی ہے وہ نسبت سے محترم ہوتی ہے۔ اب میں ایک سوال کرتا ہوں آپ سے کہ اگر آپ کے پاس بمبئی کی جھیل کا پانی ہے اور زم زم کا بھی پانی ہے تو آپ کس پانی سے وضو کریں گے؟ زم زم کے پانی سے وضو کریں گے یا بمبئی کی جھیل کے پانی سے وضو کریں گے؟

آپ کہیں گے: صاحب! اگر زم زم کا پانی میسر ہے تو زم زم کے پانی سے وضو کریں گے۔

اچھا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تبرک ہے۔ بس! اسی دلیل پر قائم رہیے گا کہ اگر نبی زادے کی ایڑیاں رگڑنے سے پانی تبرک ہو جاتا ہے تو پھر خاک بھی تبرک بن جائے گی (نعرۂ حیدری)۔

اب سمجھے آپ! جب تک ایک مسلمان کو زم زم کا پانی ملے گا' وہ دوسرے پانی سے وضو نہ کرے گا' اسی طرح ہمیں جب تک کربلا کی مٹی ملے گی ہم بھی دوسری مٹی پر سجدہ نہ کریں گے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ حج ہو رہا ہے۔ منیٰ میں قیام کرو اور راتیں گزارو۔ عرفات میں قیام کرو زوال سے لے کر مغرب تک اور بہ نیت واجب ٹھہرو۔ مشعر الحرام میں قیام کرو اور شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں چنو۔ یہ سب چیزیں کیا ہیں؟ اور اس کے بعد جب وہاں سے واپس آئے تو چار آدمیوں نے عزت سے دیکھا کہ حاجی صاحب تشریف لاتے ہیں بلکہ اگر کسی نے حاجی صاحب نہیں کہا تو ناراض ہوئے۔ ہاں! یہ ناراض ہونے والے منظر ہم نے دیکھے ہیں۔ اگر یادِ اسماعیلؑ و ابراہیمؑ منانے والے کو عزت کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے تو پھر زیارتِ قبرِ حسینؑ کرنے والے کو عزت کی نظر سے کیوں نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ کعبہ جس نے بنایا تھا' وہ تو بنا کر چلا گیا' اب دیکھنا یہ ہے کہ کعبے کو بچانے والا کون تھا (صلوٰۃ)۔

کعبہ کو بچانے والا کون تھا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ کو لیے ہوئے گھر آئے تو بی بی ہاجرہؑ منتظر تھیں۔ اب چوں کہ واقعہ ہو چکا تھا اور وقت گزر چکا تھا لہٰذا ابراہیمؑ نے بی بی ہاجرہؑ سے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

بی بی ہاجرہؑ نے سر سے پاؤں تک اپنے لال کو دیکھا مگر کہیں کوئی زخم نہ تھا' کہیں کوئی خراش نہ تھی' کہیں سے خون کا ایک قطرہ نہ نکلا۔ البتہ! گلے پر ہلکا سا ایک نشان تھا' ماں کی ممتا کی باریک نظر نے اس نشان کو محسوس کیا اور کہا: کیا یہ وہی نشان تو نہیں ہے جو میرے بچے کی گردن پر چھری رکھنے سے پیدا ہوا ہے؟

حالاں کہ کوئی زخم نہیں تھا مگر پھر بھی اتنا سا نشان دیکھ کر دل پر اتنا گہرا اثر ہوا اور ایک آہ کا نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئیں اور اس کے بعد جب ہوش میں آئیں تو کہا کہ اگر میرا بچہ ذبح ہو جاتا تو میں کیا کرتی' پھر بے ہوش ہو گئیں۔

مسلسل یہ کام ہوتا رہا اور برابر بے ہوشی کے دورے پڑتے رہے حتیٰ کہ اسی بے ہوشی کے دوروں میں ایک دن حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں: تین دن زندہ رہیں' بعض تین دن سے زیادہ بتاتے ہیں۔ بہر حال! آپؓ بہت دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں اور بے ہوشی کے دورے پڑتے پڑتے آخر میں رحلت کر گئیں۔

ذکرِ مصائب: شہ زادۂ علی اصغرؑ کی شہادت

عزیزانِ گرامی!

یہ وہ ماں تھی جس کا بیٹا موت پر صبر کرتا تھا لیکن کربلا میں وہ مائیں تھیں جن کے بیٹے موت پر شکر کرتے تھے۔ موت پر صبر کرنے والے اور ہوتے ہیں اور موت پر شکر کرنے والے اور ہوتے ہیں۔ میں کن کن ماؤں کا تذکرہ کروں اس لیے کہ تاریخ میں بہت سی مائیں ہیں جو لائق تذکرہ ہیں۔

حضرت وہب بن عبداللہ قلبیؓ کی ماں بھی ایک ماں تھیں' جنھوں نے رات بھر اپنے بچے کو سمجھایا کہ بیٹا! تم سترہ دن کے بیاہے ہوا ایسا نہ ہو کہ زندگی میں تمھارا دل لگ جائے اور نصرت امامؑ میں کمی ہو جائے اور تمھاری جان بچ جائے بلکہ تم سر

حسینؑ پر اپنا سر قربان کر دینا۔

بیٹا بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ مادرِ گرامی! آپؓ اطمینان رکھیے' میں اپنی جان پیاری نہیں کروں گا' یہ سر حسینؑ پر قربان ہو گا۔

جب وہبؓ لڑنے کے لیے میدان میں گئے اور لڑتے لڑتے زخموں سے چُور ہو گئے اور زِرہ سے خون ٹپک رہا تھا تو ماں سے ملنے آئے۔ محض یہ دکھانے کے لیے کہ میں مقتل میں اسی شان سے لڑ رہا ہوں' میں نے اپنا ارادہ نہیں بدلا ہے مگر ماں نے جب بیٹے کی صورت دیکھی تو فوراً کہا: بیٹا! میں ابھی راضی نہیں ہوں۔ میں اس وقت راضی ہوں گی جب تیرا سر نصرتِ حسینؑ میں جسم سے کٹ کر علیحدہ ہو جائے گا۔ ابھی میری رضامندی کا سوال نہیں ہے۔

یہ بھی ماں تھیں اور وہ بھی ماں تھیں جو مسلمؓ بن عوسجہ کی زوجہ تھیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمؓ کا جنازہ خیمے میں آیا اور امام حسینؑ اور حضرت حبیبؓ ابن مظاہر، مسلمؓ کی میت کو خیمے میں لائے تو خیمے کا پردہ اُٹھا اور ایک کم سن بچہ خیمے سے باہر نکلا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: پلٹ جا! تیری ماں کے لیے تیرے باپ کا غم بہت ہے۔

بچے نے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: مولاؑ! میری ماں نے ہی تو مجھے تلوار باندھے ہوئے بھیجا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

ہم نے انسانی فطرت دیکھی ہے کہ مائیں جب اپنے بچوں کو سنوارتی ہیں'

سجاتی ہیں' بالوں میں کنگھی کرتی ہیں' کپڑے بدلتی ہیں اور کاجل لگاتی ہیں تو اس کے بعد ہاتھ اُٹھا کر ان کی زندگی کی دعائیں بھی کرتی ہیں کہ پالنے والے! یہ تصویر مٹنے نہ پائے' یہ بچہ میرا زندہ وسلامت رہے۔ لیکن کربلا کی ماؤں کا مزاج ہی کچھ اور تھا کہ بچے کو سجایا' سنوارا' سپاہی بنایا اور کہا: جا! میرے لال! حسینؓ پر سر کو نثار کر دے۔

اللہ! اللہ! قربانی میں کتنا جوش تھا' نصرتِ سرور میں کتنا جوش تھا' آدمی تصور نہیں کر سکتا اور سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہر ماں اپنے بچے کو قربانی کے لیے پیش کرنا چاہتی تھی۔ یہ وہ مائیں تھیں جو نبی ہاشمؓ سے نہ تھیں' اماموںؓ کے گھرانے سے نہ تھیں اور جب ہم اماموںؓ کے گھرانے کی ماؤں کو دیکھتے ہیں تو اللہ اکبر! وہ حضرت زینبؓ تھیں جو اپنے بیٹوں کو نہ روئیں۔

آج کعبہ کو بچانے والا حسینؓ ابن علیؓ ہے۔ نمازیں مٹ جاتیں' روزے فنا ہو جاتے' حج کا وجود نہ رہتا اور اسلام نام کی کوئی چیز دنیا میں باقی نہ رہتی' اگر یزید برسرِ اقتدار رہتا۔ وہ حسینؓ ابن علیؓ تھے جنھوں نے کعبہ کی حفاظت کے لیے' قرآن کی صداقت کو بچانے کے لیے اور اسلام کی حقانیت کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنا اور اپنے بھرے گھر کا ہدیہ پیش کر دیا۔

عزیزانِ گرامی!

سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ سرِ حسینؓ جب یزید کے سامنے آیا ہے تو یزید نے دو شعر پڑھے۔ یہ دو شعر نہیں تھے بلکہ یزید کے چہرے سے نقاب اُلٹا اور نقاب اُلٹوایا حسینؓ کے کٹے ہوئے سر نے۔ جب اس نے وہ سر دیکھ کر یقین کر لیا

کہ حسینؓ مار ڈالے گئے ہیں اور ان کا سر کٹ گیا ہے تو اپنی اصلیت اس نے بیان کی' وہ کہتا ہے:

لَیتَ اَشیَاخِی بِبَدرٍ شَہِدُوا......

"کاش! میرے بدر والے بزرگ زندہ ہوتے اور وہ یہ منظر دیکھتے"۔

بدر کے وقت نہ حسینؓ پیدا ہوئے تھے' نہ یزید پیدا ہوا تھا لیکن بدر کے وقت کا چرچا یزید کے خاندان میں اتنا تھا کہ یزید اپنی پیدائش کے بعد بدر کو یاد کر رہا ہے کہ کاش! میرے بدر والے زندہ ہوتے یعنی وہ لوگ جنھوں نے راہِ کفر میں اپنی جان دی۔ وہ لوگ جنھوں نے بتوں پر اپنی قربانی پیش کی' وہ زندہ ہوتے اور دیکھ کر خوش ہوتے کہ ہم نے رسولؐ کے نواسے سے کیسا بدلہ لیا ہے۔

کیوں جناب! کیا اس کے بعد بھی یزید مسلمان ہے اور مسلمانوں کا خلیفہ ہے اور وہ کیسے مسلمان ہیں جو بدر کے کافر پشتوں کو رو بھی رہے ہیں اور مسلمان بھی ہیں۔

لَیتَ اَشیَاخِی بِبَدرٍ شَہِدُوا......

"کاش! میرے بدر والے بزرگ زندہ ہوتے اور یہ منظر دیکھ کر خوش ہوتے"۔

اس کے بعد اس ملعون نے اپنا مستقبل کا پلان بھی واضح کر دیا:

لَعِبَت ہَاشِمُ بِالمُلکِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَ لَا وَحیٌ نَزَلِ

"ہاشمیوںؓ نے ملک کے ساتھ ایک کھیل کھیلا تھا (ہاشمیوںؓ سے مراد رسولؐ خدا ہیں' مولا علیؑ ہیں) نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی آئی تھی"۔

یزید سر دربار' مسلمانوں کے دربار میں بیٹھ کر وحی سے انکار کر رہا ہے' خبر سے بھی انکار کر رہا ہے اور قرآن سے بھی انکار کر رہا ہے۔ مگر اللہ رے! دولت کا زور کہ اس کے بعد بھی خلیفۃ المسلمین کہلایا ہے اور امیر المومنین بھی کہلا رہا ہے۔

آپ سوچیں تو سہی اور کبھی اپنے دل میں یہ خیال تو لائیے کہ یہ کیسے مسلمان تھے۔ اگر کعبہ ان کے حوالے ہو جاتا' اگر نمازوں کے ذمہ دار یہ بن جاتے' اگر یہ روزوں کے ذمہ دار بن جاتے اور اگر حج ان کے ذمہ ہو جاتا تو نہ حج رہتا' نہ کعبہ رہتا' نہ نمازیں رہتیں اور نہ روزے رہتے۔ ان میں سے کوئی شے بھی رہنے والی نہ ہوتی۔

ان سب کو زندہ رکھنے والی طاقت کا نام حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ حسینؑ نے ان سب کو زندہ رکھا اور خالی زندہ ہی نہیں رکھا عزیزانِ گرامی! بلکہ حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی قربانی دے کر زندہ رکھا۔ جس کے گھر کی بیبیوں نے صبر کر کے ان کو زندہ رکھا۔ سید سجادؑ نے ہتھکڑیاں پہن کر زندہ رکھا۔ زینب کبریٰؑ نے اپنی چادر دے کر زندہ رکھا اور سیدہ سکینہؑ نے قید خانے میں گھٹ گھٹ کر اپنی جان دے کر زندہ رکھا۔

قربانی پر قربانی ہوتی رہی۔ اللہ کی راہ میں جانیں جاتی رہیں۔ مائیں اپنے بیٹوں کی لاشیں دیکھتی رہیں۔ بہنیں اپنے بھائیوں کے جنازے دیکھتی رہیں۔ خیمہ گاہ میں میتیں آتی رہیں اور بیبیاں دل سنبھالے بیٹھی رہیں' یہاں تک کہ آخر میں جب کوئی نہ رہا تو امام حسینؑ، علی اصغرؑ کو لے کر آئے۔

ہماری ہزار جانیں نثار اس چھ مہینے کے لال پر! جسے امامؑ عبا کے دامن میں سایہ کیے ہوئے مقتل میں لائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ امامؑ قرآن لا رہے ہیں لیکن اب جو عبا کا دامن ہٹایا تو اُنھوں نے دیکھا کہ چھ مہینے کا بچہ تھا۔ امامؑ نے قومِ جفا کار سے فرمایا: اگر میں خطاوار ہوں تو یہ بچہ تو معصوم ہے' اس کو تھوڑا سا پانی پلا دو۔

عزیزو!

پانی تو کسی نے نہ دیا عمر ابن سعد نے حرملا کو حکم دیا:

اِقطَع کَلَامَ الحُسَین

"حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے"۔

اس لعین نے تین بھال کا تیر کمان میں جوڑا اور ننھے علی اصغرؑ کے گلے کو نشانہ بنایا۔

عزیزانِ گرامی!

روایت میں بڑا سخت جملہ ہے' روایت میں جملہ ہے:

"بچہ مسکرایا اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا"۔

ہائے! وہ باپ جس نے ختم ہوتی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھا۔ چلو میں خون لیا اور وہ خون اپنے چہرے پر ملا اور فرمایا: ''قیامت کے دن اپنے نانا کے سامنے یوں ہی جاؤں گا''۔ کپڑوں پر علی اکبرؑ کا لہو تھا اور چہرے پر علی اصغرؑ کا لہو تھا۔ در خیمہ پر ماں منتظر کھڑی تھی، مگر علی اصغرؑ تو نہ آئے، علی اصغرؑ کی میت آئی۔

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ

مجلسِ ہشتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

ارشادِ رب العزت ہے:

"یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم میں"۔

عزیزانِ محترم!

ہمارے اور آپ کے درمیان جو گفتگو کا سلسلہ ہے اس میں آلِ ابراہیمؑ کا بیان ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے بیٹا دیا حضرت اسماعیلؑ جیسا اور وہ بیٹا مکہ میں پلا اور جب جوان ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ اُس کو ذبح کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ حکمِ خدا کی اطاعت کے لیے اُس کو منیٰ میں لے گئے۔ لیکن عین وقت پر مشیت نے کہا کہ اب یہ ذبحِ عظیم ہو گی۔ اب یہ اسماعیلؑ ذبح نہیں ہوں گے۔ دُنبہ آ گیا اور اسماعیلؑ بچ گیا۔ اسی واقعہ کی یاد میں آج تک حج بیت اللہ منایا جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اس وقت قرآن میں آیت آئی:

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"جب ہم نے ابراہیمؑ کو چند کلمات کے ذریعے جتلائے امتحان کیا اور ابراہیمؑ نے اس امتحان کو پورا کر دکھایا"۔

یعنی کام یاب ہو گئے تو ارشاد ہوا کہ ہم نے تم کو انسانوں کا امام بنا دیا ہے۔

ذرا یہاں پر ٹھہریے!......

آیت اس کے بعد والی بھی میں نے پڑھنی ہے اور ترجمہ بھی کروں گا۔ مگر میں آپ سے گزارش کروں گا کہ ذرا یہاں پر ٹھہریے!...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب ہم نے ابراہیمؑ کو چند کلمات کے ذریعے جتلائے امتحان کیا اور وہ اس امتحان میں پاس ہو گئے اور انھوں نے ان کلمات کو پورا کر دکھایا تو ہم نے یہ کہا کہ ہم نے تمھیں انسانوں کا امام بنا دیا ہے۔

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ امامت کہاں سے آئی؟ یہ امامت کیا چیز ہے؟ ان لوگوں کی قرآن پر نگاہ نہیں ہے اس لیے اکڑتے ہیں۔ اگر قرآن پر نظر ہوتی تو یہ جملہ نہ کہتے۔

اب میں ایک سوال کروں گا کہ ہم یہ بات کہتے ہیں اور یہ بات ہم دعویٰ کے ساتھ کہتے رہیں گے۔ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں ہے کہ ہمارے امامؑ جو ہیں وہ سوائے سرورِ کائناتؐ کے ان سے تو مرتبہ میں بڑھ کر نہیں ہیں اور دُرجے

میں ان سے کم ہیں مگر سوائے سرورِ کائناتؐ کے، حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے رہبر گزرے ہیں، سب سے افضل ہیں۔ اس بات کی دلیل ہمارے پاس قرآن سے ہے۔

ایک شخص ایک فرم میں کام کرتا ہے۔ وہ بہت بڑی انٹرنیشنل فرم ہے اور اس میں بہت بڑے رتبے پر فائز ہے۔ کئی امتحان دے چکا ہے، کئی مرتبہ پاس ہو چکا ہے اور کئی مرتبہ عہدے پا چکا ہے۔ بالکل اب سمجھ لیجیے کہ وہ چوٹی کے عہدے پر فائز ہے کہ اچانک وہ فرم ایک نیا امتحان لیتی ہے اور کہتی ہے کہ جس کا دل چاہے وہ اس میں شریک ہو جائے تو وہ اس میں بھی شریک ہو کر اس کو بھی پاس کر لیتا ہے۔ اب آپ مجھے کسی مذہب کی قید کے قانون کے مطابق یہ بتائیں کہ وہ شخص کمپنی میں upgrade کیا جائے گا یا degrade کیا جائے گا؟

حضرت ابراہیمؑ معصوم ہیں، ابراہیمؑ نبی ہیں، ابراہیمؑ خلیل ہیں، ابراہیمؑ نے اپنا سارا غلہ راہِ خدا میں دے دیا اور امتحان میں بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ جب کہ حضرت ابراہیمؑ دہکتی ہوئی آگ میں بھی محبتِ خدا میں کودے ہیں۔ ان سب مراتب کے بعد ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو چھری کے نیچے رکھا ہے۔ جب رکھا تو خدا نے فرمایا: میں تمھیں امام بناتا ہوں۔

اب بتایئے! امامت افضل ہے یا ابراہیمؑ کی نبوت افضل ہے؟

بتایئے! کیا چیز افضل ہے؟

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴)

"ہم نے تم کو لوگوں کا امام بنا دیا"۔

اب آپ سمجھ لیجیے کہ امام کیا ہوتا ہے۔ وہ چیز جو عوام کے استعمال کے لیے بنائی جاتی ہے' وہ بنا کر عوام کے استعمال میں فوراً نہیں دی جاتی بلکہ اس کا ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔

مثلاً ایک نئی ریلوے لائن نکلتی ہے اور کچھ عرصے میں وہ مکمل ہوتی ہے تو جس دن وہ مکمل ہوتی ہے' اُسی دن اس پر مسافر ٹرین نہیں دوڑا دی جاتی' اس لیے کہ خدا جانے کہاں پر کمزوری رہ گئی ہو' خدا جانے کہاں سے ٹوٹ جائے۔ پہلے اس پر گاڑیاں چلائی جاتی ہیں امتحاناً پتھر بھر کر' مٹی بھر کر تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ لائن صحیح ہو گئی ہے یا نہیں۔ جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ لائن صحیح ہو گئی ہے تب اس پر مسافر بٹھائے جاتے ہیں۔

امام کا کام ہے لوگوں کی ہدایت کرنا۔ ایسے ہی ہدایت نہیں کی جائے گی۔ ابراہیمؑ کے تین امتحان ہوئے۔ پہلا امتحان مال سے ہوا۔ جب اس میں کام یاب ہو گئے تو دوسرا امتحان جان سے ہوا۔ جب اس میں بھی کام یاب ہو گئے تو تیسرا امتحان اولاد سے ہوا۔ جب تینوں امتحانات میں پاس ہو گئے تو تب امام بنے۔

اب یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ ایسے آدمی ہیں جو نہ مال پر بکنے والے ہیں' نہ جان پر بکنے والے ہیں اور نہ اولاد پر بکنے والے ہیں۔ جو ان تین چیزوں پر نہ بکے وہ امام ہوتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

حضرت علیؑ بھی ان تینوں منزلوں سے گزر گئے۔ سردار کے بیٹے تھے اپنا

سارا مال راہِ خدا میں لٹا دیا اور مال کے امتحان میں علیؑ پیچھے نہ رہے۔ جان کے امتحان کی نوبت آئی تو ہجرت کی رات چمکتی ہوئی تلواروں کے سائے میں رات بھر سو کر گزار دی جب کہ چاروں طرف گھر گھرا ہوا ہے، تلواریں چمک رہی ہیں اور علیؑ سو رہے ہیں۔ لیٹے نہیں رہے۔

اچھا! لیٹے نہیں۔ اس میں بہت بڑا فرق ہے لیٹا ہوا ہونا اور سویا ہوا ہونا۔ لیٹا ہوا آدمی تو کسی وقت بھی موت کے انتظار میں لیٹتا ہے کہ کب تلواریں برس پڑیں گی اور سویا ہوا آدمی وہ ہے جو بے خبر ہو کر سو گیا ہو۔ حضرت علیؑ کو اپنی جان کی اتنی پرواہ نہ تھی کہ خالی لیٹے رہتے۔ اسی لیے تو علیؑ سو گئے اور ایسا سوئے کہ خریدار آ کر نفس خرید کر لے گیا اور علیؑ کو خبر بھی نہ ہوئی (نعرۂ حیدری)۔

شبِ ہجرت تلواروں کی چھاؤں میں سو کر علیؑ نے یہ بتا دیا کہ ہم نے اپنی جان کی بھی قربانی پیش کر دی ہے اور جب اللہ نے علیؑ کو اولادیں دیں اور جبرئیلؑ محضر نامہ شہادتِ حسینؑ لے کر آئے تو محضر نامہ شہادت حسینؑ پر علیؑ کا دستخط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ علیؑ نے اولاد بھی قربان کر دی۔ جب علیؑ نے جان بھی قربان کر دی، مال بھی دے دیا اور اولاد بھی قربان کر دی تو اب اگر علیؑ کو اِمَامُ الاَوَّلِینَ وَ الآخِرِینَ کہا جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

"ہم نے تم کو انسانوں کا امام بنا دیا"۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ

"(حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کیا اور میری اولاد میں سے"۔

دیکھیے!

پھر یہاں وہی بات آئی آل کی:

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي

"حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میری ذریت یعنی میری آل، میری نسل کے لوگ"

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"فرمایا: (ہاں! مگر) میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہو سکتا"۔

جواب ملا کہ ہمارا عہدہ کبھی ظالموں کو نہیں ملے گا۔ نہ اللہ نے یہ کہا کہ تمھاری آل کو بناؤں گا اور نہ ہی اللہ نے یہ کہا کہ نہیں بناؤں گا۔ بس! درمیانی جواب دیا کہ ہمارا یہ عہدہ کبھی ظالموں کو نہیں ملے گا۔ ایک اُصول یاد رکھیے کہ یہ عہدۂ الٰہی ہے کسی ظالم کو نہیں ملے گا۔

ظالم کون ہوتا ہے؟ جو زندگی میں ایک دفعہ جھوٹ بول دے وہ بھی ظالم ہے۔ جس کی زندگی میں ایک دفعہ نماز قضا ہو جائے وہ بھی ظالم ہے۔ جس سے پوری زندگی میں ایک بھی غلطی ہو جائے وہ بھی ظالم ہے۔

معلوم ہوا کہ جہاں ظالم کا touch آیا وہاں الٰہی عہدہ واپس ہوا۔ اب جن کو نہیں ملے گا وہ کون ہوں گے؟ اگر خدا کہتا ہے کہ ہمارا یہ عہدہ معصوموں کو ملے

گا تو ہر ایک دعوئ عصمت کرنے لگتا۔ کہا: ہم معصوم نہیں کہتے' ظالم نہ بن کر دکھاؤ۔

اب ظلم کیا کیا ہیں۔ یہ تو تاریخ میں ہر گناہ' ہر برائی' ہر معصیت اور ہر غلطی' ظلم ہے۔ اس کے لیے میں پوری رات بھی آپ کو ظلم کی فہرست گنواتا رہوں تو ظلم کی فہرست پوری نہیں ہوگی۔ لیکن ایک ظلم وہ ہے' جس کو خدا ظلم عظیم کہہ رہا ہے۔

ذرا میری طرف متوجہ رہیے گا!

ایک ظلم وہ ہے جس کو خدا ظلم عظیم کہہ رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (سورۂ لقمان: آیت ۱۳)

"اور (میرے حبیب! وہ وقت یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کی نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے بیٹا! (خبردار! کبھی کسی کو) خدا کا شریک نہ بنانا (کیوں کہ) شرک یقیناً ظلم عظیم ہے"۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سمجھایا کہ دیکھو بیٹا! کبھی اللہ پر شرک نہ کرنا' کیوں کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

"شرک ظلم عظیم ہے"۔

معلوم ہوا کہ قرآن نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے تو جس کے دامن پر شرک کا دھبہ ہوگا وہ ظلم عظیم کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اب وہ کچھ بنے نہ بنے مگر الٰہی عہدہ کا

حق دار نہیں بن سکتا۔ کہا: تمھاری اولاد کو ملے گا یا نہیں' یہ ہم نہیں کہتے لیکن جو ظالم ہے اس کو ہمارا عہدہ نہیں ملے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کی آل کا یہ سلسلہ مکہ میں چلتا رہا اور مکہ سے چلتے چلتے اس سلسلہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے جس کا نام قریش تھا اور یہ لوگ قریشی کہلائے۔ حضورؐ کے نام کے ساتھ سید قرشی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ قریش کہے جانے لگے۔ پھر ان میں جو مختلف شاخیں تھیں وہ اپنے اپنے نام رکھنے لگیں۔ اس لیے کہ آبادی بڑھنے لگی اور تعداد زیادہ ہونے لگی تو کوئی یہ ہو گئے اور کوئی وہ ہو گئے۔ کوئی بنی اُمیہ کہلانے لگے اور کوئی بنی ہاشمؓ کہلانے لگے۔

انھی کے خاندان میں ایک بزرگ حضرت ہاشمؓ بھی ہوئے۔ حضرت ہاشمؓ بلند مرتبے کے بزرگ تھے اور بڑی شان کے آدمی تھے۔ ہاشم نام نہیں تھا بلکہ ہاشم صفت تھی۔ عربی میں ہاشم کہتے ہیں' چُور چُور کرنا' ٹکڑے ٹکڑے کرنا' ریزہ ریزہ کرنا۔

مکہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا تھا تو حضرت ہاشمؓ نے چار مہینے اپنے دروازے پر مکہ والوں کو کھانا کھلایا اور اُونٹ کا سالن پکوا کر اس میں روٹیاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈالتے تھے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ آپؓ نے سالن میں اتنی روٹیاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھلائیں کہ آپؓ کا اصل نام غائب ہو گیا اور لقب ہاشم رہ گیا۔ ویسے اصلیت میں ان کا نام عمران تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ وہ ہیں جن کے نام ان کی سخاوت کی بنیاد پر بھی مشہور ہو جاتے ہیں۔

ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت عبدالمطلبؓ ہوئے۔ یہ بھی بہت پایہ کے

سردار تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ ہی کے زمانے میں رسولؐ اللہ کی ولادت ہوئی اور بچپن میں رسولؐ اللہ، حضرت عبدالمطلبؑ کی گود میں پلے۔ رسولؐ خدا ابھی پانچ برس کے تھے کہ حضرت عبدالمطلبؑ دنیا سے رُخصت ہو گئے۔

حضرت عبدالمطلبؑ دو دولتیں اپنے بیٹے حضرت ابوطالبؑ کو دے کر دُنیا سے گئے: ایک خانۂ کعبہ کی کنجی اور ایک یتیم بھتیجا۔ حضرت ابوطالبؑ نے یتیم بھتیجے کی پرورش اس طرح کی کہ اس کو یتیمی کا احساس تک نہ ہوا اور کعبے کی حفاظت کی تاکہ کعبے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

عزیزانِ گرامی!

پھر اسی نسل سے سرورِ کائناتؐ ہوئے۔ یہ نسلِ ابراہیمؑ ہے اور اسی نسل سے بارہ امام ہوئے۔

دیکھیے!

میں اپنے موضوع پر آ گیا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ آلِؑ رسولؐ پر عشرہ پڑھوں گا۔ کچھ مجلسیں میری تمہیدی ہوئیں، مگر وہ آیت کی مناسبت سے ہوئیں۔ ایک آل کا سلسلہ تو حضرت اسماعیلؑ سے چلا جو قریش و ہاشم سے ہوتا ہوا سرورِ کائناتؐ تک اور علیؑ ابن ابی طالبؑ تک پہنچا پھر علیؑ ابن ابی طالبؑ سے لے کر آج کے امامؑ تک ہے۔ ایک تو ہاشمؑ کا سلسلہ یہ ہے جو مذکور ہوا ہے۔

اب آیئے عمران کی طرف!

تاریخ میں تین عمران گزرے ہیں: (۱) حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام عمران

تھا۔ ② حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران تھا۔ ③ حضرت ابوطالبؑ کا نام عمران تھا۔ اب خدا نے قرآن میں کس عمران کی اولاد کا ذکر کیا ہے؟ یہ تو مفسرین ہی جانیں کہ آلِ عمران سے مراد موسیٰؑ و ہارونؑ ہیں یا آلِ عمران سے مراد عیسیٰؑ و مریمؑ ہیں یا آلِ عمران سے مراد بارہ امامؑ ہیں۔

چوں کہ ہم تفسیر کے معاملے میں تفسیر بالرائے کے قائل نہیں ہیں اور ہم اپنی طرف سے اس کا مطلب نہیں بیان کر سکتے' کیوں کہ ہمیں اجازت نہیں ہے بیان کرنے کی اور ہم پر حرام کیا گیا ہے تفسیر بالرائے کو' لیکن یہ آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ حضرت موسیٰؑ بھی نسل ابراہیمؑ سے ہیں' حضرت عیسیٰؑ بھی نسل ابراہیمؑ سے ہیں اور بارہ امامؑ بھی نسل ابراہیمؑ سے ہیں۔

پس! جب سب کے سب نسل ابراہیمؑ سے ہیں تو پھر عمران کی اولاد کا الگ سے تذکرہ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس لیے کہ ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں جب کہ میں نے پرسوں کی مجلس میں ذکر کیا تھا کہ ایک بیوی حضرت ہاجرہؑ تھیں جو اللہ کے حکم سے مکہ آئیں اور دوسری بیوی حضرت سارہؑ تھیں۔

حضرت سارہؑ بلند مرتبے کی بی بی تھیں' بڑی عبادت گزار اور بڑی متقی بی بی تھیں۔ حضرت سارہؑ سے جو بیٹا ہوا اس کا نام اسحٰقؑ تھا' وہ نبی تھے اور ان کی نسل شام میں چلی۔ حضرت اسحٰقؑ کا جو بیٹا ہوا وہ حضرت یعقوبؑ تھے۔ حضرت یعقوبؑ نبی ہوئے۔ یہ حضرت سارہؑ کے سلسلے سے نبی تھے۔

حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا حضرت یعقوؑ کے فرزند

حضرت یوسفؑ ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے ہوئے چوں کہ بارہ بیٹے تھے اس لیے یہ بنی اسرائیل کہلائے۔

اب سمجھے آپ!

یہ جو مسلمان اور اسرائیل ہیں یہ کزن ہیں' ان کی آپس میں رشتہ داری ہے۔ ایک اماں کی اولاد یہ ہیں اور دوسری اماں کی اولاد وہ ہیں۔ یہ جو آج کل آپس میں لڑائی پڑی ہوئی ہے' یہ اس زمانے سے ہے۔ مگر یہ بنی اسرائیل جو تھے بڑے ظالم تھے۔ میں بلاوجہ کسی کو ظالم کہنے کا قائل نہیں ہوں مگر اپنے بے خطا بھائی کو جنگل میں جا کر کنوئیں میں دھکیل آئے' یہ نبی کے دس بیٹے۔ گیارھواں بنیامین ان میں شامل نہیں تھا۔

آپ پہچانیے کہ گھرانہ کیسا تھا' یعقوبؑ جیسا باپ۔ ذرا سوچیے! حضرت اسحٰقؑ دادا' حضرت اسماعیلؑ بھی دوسرے دادا' حضرت ابراہیمؑ پردادا۔ جو نسل نبوت کے خاندان سے تھے۔ اب جو بگڑے تو ایسے بگڑے کہ اپنے ہی معصوم بھائی کو کنوئیں میں جا کر ڈال آئے۔

معلوم ہوا کہ نبی کے خاندان سے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ کردار ہونا چاہیے۔ جس کا کردار ہے' وہ سب کچھ ہے اور جس کا کردار نہیں ہے' وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آج تک ان کی مذمت ہوتی ہے اور حضرت یوسفؑ نے جو ان کے متعلق خواب دیکھا تھا اُس کا ذکر قرآن میں یوں ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ

عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ

"(وہ وقت یاد کرو) جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا! میں نے گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں" (سورۂ یوسف: آیت ۴)۔

میں نے دیکھا کہ چاند، سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ ستارے تھے وہ جو بھائی کو کنوئیں میں ڈال آئے۔ معلوم ہوا کہ ستارہ ہونے سے کچھ ہوتا نہیں ہے بلکہ بھائی کا قاتل بھائی بن جاتا ہے۔

یہ واقعہ کیسے ہوا؟

حضرت یوسفؑ نے ایک رات خواب دیکھا اور خواب میں دیکھا کہ چاند، سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یوسفؑ، حضرت یعقوبؑ کے پاس سوتے تھے، اُٹھ کر باپ کو خواب بیان کیا: بابا! میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ چاند، سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

باپ نے بیٹے کو تعبیر دی اور فرمایا: بیٹا! خواب تو بہت اچھا ہے مگر ایسا اپنے بھائیوں سے نہ کہنا ورنہ وہ تمھارے دشمن ہو جائیں گے۔

بھائی تو سب سو رہے تھے انھوں نے نہیں سنا مگر تعبیر کہتی ہے کہ ایک بھاوج جاگ رہی تھی۔ انھوں نے خواب سن لیا۔ انھوں نے سویرے اُٹھ کر اپنے شوہر سے بیان کیا۔ شوہر نے سب بھائیوں کو پھونک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے بھائیوں

کو معلوم ہو گیا کہ بھائی نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ چاند' سورج اور گیارہ ستارے اسے سجدہ کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اکثر پیغمبروں کے گھر عورتوں نے تباہ کیے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

یہ تاریخ و تفسیر مذہب ہے۔ اب معلوم ہوا کہ خواب میں دیکھ لینا کہ چاند' سورج اور ستارے سجدہ کر رہے ہیں کوئی ایسی بات تو تھی کہ سگے بھائی دشمن ہو گئے۔ جو قرآن میں لکھا ہے وہی پڑھ رہا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھ رہا۔ حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا......

سورۂ یوسفؑ اُٹھا کر دیکھ لیجیے آپ کو اس میں خواب مل جائے گا۔ حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کے چاند' سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ باپ نے منع کیا کہ بھائیوں سے نہ کہنا' ورنہ تمھارے دشمن ہو جائیں گے۔

مثلاً میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک ارب ڈالر مل گئے ہیں تو کیا سویرے کوئی آئے گا مجھ سے ایک ڈالر بھی مانگنے کے لیے۔ ارے بھائی! خواب کی بات تھی سویرے اُٹھا تو ویسے ہی ہاتھ خالی تھے' جیسے سوئے تھے۔ مگر معلوم ہوا کہ خواب میں بھی چاند' سورج اور ستاروں کا سجدہ کرنا کوئی ایسی بات ہے کہ سگے بھائی دشمن ہو جائیں۔

پہچانیے معاملے کو! اب جو خواب میں دیکھ کر دشمن ہو جائیں اور جن کے سر دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہوا' یہ سورج پلٹا اور یہ ستارہ اُترا اگر وہ دشمن ہو جائیں تو حیرانی کی بات کون سی ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ حضرت یوسفؑ کے بھائی تھے جنھوں نے حضرت یوسفؑ کو زندہ کنوئیں میں جا کر ڈال دیا۔ اگر کسی جنگل میں کوئی آدمی کسی کو لے جا کر کنوئیں میں ڈال دے تو اس پر قانون charge claim کرے گا۔ اگرچہ قتل نہ سہی تو اقدامِ قتل کا تو case چلے گا۔

خیر! وہ کنوئیں کا پانی خشک ہو گیا۔ ادھر سے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے کنوئیں میں ڈول ڈالا۔ اب جو دیکھا تو یوسفؑ تھے اور کہنے لگے کہ بہت بڑی دولت مل گئی۔ دوسرے دن بھائی آئے تو اَسّی (۸۰) کھوٹے درہموں پر اپنے بھائی کو بیچ کر چلے گئے۔

قرآن کہتا ہے: اَسّی درہموں پر وہ بھی کھرے نہیں۔ اَسّی کھوٹے درہموں پر بیچ کر چلے گئے۔ قافلے والے ان کو لے کر مصر پہنچے اور مصر میں عزیزِ مصر جو مصر کا بادشاہ تھا' اس نے کہا کہ میں خریدوں گا۔ ایک بات سمجھ لیجیے کہ یوسفؑ مصر کے بازار میں بکے ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے' کیا کہہ رہا ہے کہ یوسفؑ بازارِ مصر میں بکے ہیں۔

کیا یوسفؑ پر غلامی کا داغ لگ سکتا ہے؟ کیا آپ میں اتنا دم ہے کہ آپ یوسفؑ کو غلام کہیں؟ معلوم ہوا کہ نبی اگر آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ قیدی نہیں ہے۔ نبی اگر وہاں چھوڑ دیا جائے تو وہاں چھوڑنے والا نہیں ہے۔ نبی اگر بازار میں بیچا جائے تو وہ بک کر غلام نہیں ہو جائے گا۔

جس طریقے سے یوسفؑ بازارِ مصر میں بک کر غلام نہیں ہوئے ویسے ہی بہت سی عورتیں اگر ہمارے اماموںؑ تک بہ شکل کنیز آئیں تو یہ کہیے کہ یہ کنیز کی اولاد نہیں بلکہ یہ اُسی نسل سے ہیں جو یوسفؑ کی نسل تھی جو بکنے سے نہیں بکتے ہیں۔

اب جو یوسفؑ کو خریدنے کی بات آئی تو اس نے کہا: کتنا لوگے؟ عزیزِ مصر نے کہا: کتنا لوگے؟

اُنھوں نے کہا: اس کے برابر سونا۔

بادشاہ تھا' حکم دیا کہ رکھ دو اس کے برابر سونا۔ خزانے کا جتنا سونا تھا' وہ سب خالی ہوگیا اور یوسفؑ کا پلہ نہیں اُٹھا۔ یوسفؑ اتنے بھاری ہوگئے کہ مصر کا سارا خزانہ خالی ہوگیا۔

میں کہوں گا کہ کیا ہو رہا ہے؟

یوسفؑ کہیں گے: دیکھتے جاؤ۔

آخر میں جب مصر کے بادشاہ کے چہرے پر پسینہ آگیا اور کھجالت اس کو محسوس ہونے لگی اور یہ سمجھ گیا کہ اب نہیں خرید سکتا تو یوسفؑ نے اُسے بلا کر اپنے خریدنے کی ترکیب بتائی اور کہا: میں تمھیں بتاتا ہوں کہ ایک پرچی پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھ کر اس پلڑے میں رکھ دو تو پلہ ہلکا ہو جائے گا۔ جب ایک پرچی پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھ کر رکھا گیا تو یوسفؑ کا پلہ ہلکا ہوا اور وہ سونے کا پلہ بھاری ہوا اور یوسفؑ بک گئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ نے دنیا کو بتا دیا کہ اگر بکوں گا تو دولت پر نہیں بکوں گا صرف اللّٰہ کے نام پر بکوں گا (نعرۂ حیدری)۔

بکوں گا تو اللہ کے نام پر، دنیاوی دولت پر نہیں بکوں گا۔

عزیزانِ گرامی!

اس میں شاید ایک نقطہ اور بھی ہو۔ وہ یہ کہ بِسْمِ اللّٰهِ کا نقطہ نہیں رکھا گیا تھا (نعرۂ حیدری)۔

بِسْمِ اللّٰهِ کا نقطہ پلڑے میں نہیں رکھا گیا تھا۔ اس میں قابلِ توجہ نقطہ یہ ہے کہ مصر کے بازار میں 'ب' کا نقطہ بھی حضرت یوسفؑ کے ساتھ تُلا تھا' جب 'ب' کا نقطہ رکھا گیا تو یوسفؑ ہلکے ہو گئے اور 'ب' کا نقطہ بھاری ہو گیا (نعرۂ حیدری)۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے جب یوسفؑ کی محبت دیکھی تو اس کو کچھ اور پایا اور جب نقطہ با ''حیدرِ کرارؑ'' کی محبت دیکھی تو اس کو کچھ اور پایا۔ وہ نقطہ اور تھا اور یہ نقطہ اور تھا۔

بس! دو جملے سن لیجیے تاکہ بات آگے بڑھے!

میرا موضوع دوسرا ہے آج کہ یوسفؑ کی محبت اور علیؑ کی محبت بازارِ مصر میں انتہائی مہنگی ہو گئی اور اِسے ایک بار کسوٹی پر پرکھا بھی گیا۔ جب کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہاں بھی ہم نے یہی منظر دیکھا کہ یوسفؑ کی محبت وہ ہے' جس میں انگلیاں کٹتی ہیں اور علیؑ کی محبت وہ ہے' جس میں گلے کٹتے ہیں (نعرۂ حیدری)۔

یہ حضرت یوسفؑ تھے کہ ان پر بڑے جھوٹے الزام لگائے گئے اور ان کو قید میں رکھا گیا' پھر اس کے بعد الزام لگانے والوں نے اپنے الزام واپس لیے اور اپنی غلطی پر نادم ہوئے اور یہ اقرار کیا کہ ہم نے جھوٹے الزام لگائے تھے تب

حضرت یوسفؑ واپس قید سے رہا ہو کر آئے۔

زلیخا نے حضرت یوسفؑ پر غلط الزام لگائے تھے اور غلط باتیں کی تھیں۔ زلیخا نے اقرار کیا کہ ہاں! مجھ سے غلطی ہوئی تھی اور اپنی غلطی مان لی۔ پھر یوسفؑ مشیت پروردگار کی وجہ سے مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ اس وقت ایک معجزہ ہوا اور وہ یہ کہ زلیخا' جس نے الزام لگائے تھے اور بعد میں توبہ کر لی تھی' اللہ نے اس کا شباب پلٹا دیا جب کہ دنیا میں کوئی بوڑھا دوبارہ جوان نہیں ہوتا۔ پیری جب آ جاتی ہے تو پھر جاتی نہیں بلکہ جان لے کر ہی جاتی ہے۔ بڑھاپا جو ہے وہ جان لے کر جاتا ہے' ایسے نہیں جاتا۔ لیکن زلیخا جو تھی اللہ نے اس کو دوبارہ جوان کر دیا اور عقد بھی حضرت یوسفؑ کے ساتھ ہوا۔

معلوم ہوا کہ تھی بہت خراب' غلط بیانی سے کام لیا تھا' جھوٹا الزام لگایا تھا اور گڑبڑ کی بھی تھی مگر اس کے بعد...... چوں کہ کسی اچھے سے محبت تھی' اس لیے اللہ نے شباب پلٹا دیا۔

اب سمجھے آپ محبت کا محاورہ کہ محبت بوڑھے کو جوان بنا دیتی ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر علیؑ کی محبت ہے اور مرنے کے بعد زندگی مل جائے تو حیران نہ ہوتا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

اس طریقے سے حضرت یوسفؑ کی مصر میں حکومت قائم ہو گئی اور اُدھر کنعان میں قحط پڑ گیا۔ ان کے بھائی غلہ لینے کے لیے مصر آئے تو یوسفؑ نے اپنے

بھائیوں کو پہچان لیا۔ ان کو غلہ بھی دیا' ان کا سامان اور ان کے پیسے بھی واپس لوٹا دیے اور ان سے کہا: ایک تمھارا چھوٹا بھائی ہے اگر اس کو اپنے ساتھ لاؤ تو تمھیں اور غلہ دیں گے۔

وہ لوگ واپس گئے غلہ لیے ہوئے اور باپ سے کہا تو باپ نے کہا: نہیں! اس کو نہ لے جاؤ مگر بہت اصرار کر کے اور بہت قسمیں کھا کر وہ بھائی کو وہاں لے کر آئے۔

وہاں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو روک لیا اور باپ کو اپنے بادشاہ ہونے کی خبر بھیج دی۔ بھائیوں کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ یہ بادشاہ ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہم نے یہ سلوک کیا تھا۔ پھر یوسفؑ نے بھائیوں کو معاف کر دیا جو کچھ انھوں نے کیا تھا' کیوں کہ نبی تھے اس لیے انتقام کے جذبے سے ان کا دل خالی تھا لہٰذا انھوں نے اپنے خطاوار بھائیوں کو معاف کر دیا اور ان سے کہا: تم اپنے بال بچوں کو لے کر یہیں آ جاؤ۔ اس طریقے سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔

لوگ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل شام میں تھے' وہ مصر میں کیسے پہنچ گئے؟

بنی اسرائیل دراصل حضرت یوسفؑ کے ذریعے مصر میں آباد ہوئے اور ایک مدت تک بنی اسرائیل کی حکومت مصر میں قائم رہی۔ جب ان میں خرابیاں پیدا ہونے لگیں اور برائیاں پیدا ہونے لگیں تو وہ حکومت کو سنبھال نہ پائے جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی حکومت آ گئی اور بنی اسرائیل ان کے غلام بنا لیے گئے۔

انھی بنی اسرائیل میں سے جو لوگ حضرت یوسفؑ' حضرت یعقوبؑ اور

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے، وہ حضرت موسیٰؑ سے جا ملے۔ موسیٰؑ جو تھے وہ الگ سے کہیں نہیں آئے تھے، وہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرت ہارونؑ جو تھے وہ بھی بنی اسرائیل سے تھے۔

بات یہاں تک پہنچی! اب اس کے بعد زندگی رہی تو بات کل آگے بڑھے گی۔ میں آپ کو خالی نسل کی بات سنا رہا ہوں۔ آج مجھے صرف اتنا سنانا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے معاف کر دیا اور معاف کر کے اپنے بھائیوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

آج ہم محبتِ علیؑ کا دم بھرتے ہیں اور علیؑ علیؑ کرتے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی پڑھوں مجمع میں وہ رنگ پیدا نہیں ہوتا اور جب علیؑ کے فضائل پڑھتا ہوں تو مجمع میں ایک عجیب رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کے دل میں محبتِ علیؑ کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے (نعرۂ حیدری)۔

دستورِ دنیا یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کا تذکرہ اچھا لگتا ہے۔ جس سے پیار ہوتا ہے اس کے تذکرے پر آنکھیں کھل جاتی ہیں، دل کھل جاتے ہیں اور چہرے مسکرانے لگتے ہیں۔ میں آپ سے بڑی دل سوزی کے ساتھ، صرف علیؑ کے نام پر اور محبتِ علیؑ کے نام پر یہ اپیل کرتا ہوں کہ محرم کے دن چل رہے ہیں۔ ایامِ عزا چل رہے ہیں، ماتم داری کا زمانہ ہے، حزن و ملال کا زمانہ ہے اور غم و الم کا زمانہ ہے۔ اختلافات اور شخصی لڑائیاں علیؑ کے نام پر ختم کر دیں۔ اس زمانے میں ذاتی اور شخصی لڑائیاں ختم کر دیجیے۔ اس بنیاد پر کہ

"اگر ہم کسی سے محبت کریں گے تو علیؑ کے لیے اور اگر ہم کسی

سے عداوت رکھیں گے تو بھی علیؑ کے لیے" (نعرۂ حیدری)۔

دیکھیے!

یہ اچھا نہیں لگتا کہ جگہ جگہ پر لوگ جمع ہیں' جگہ جگہ پر تُو تُو اور مَیں مَیں ہو رہی ہے۔ کہیں پولیس کی مداخلت ہو رہی ہے۔ پولیس بے شک! آپ کی سہولت کے واسطے ہے۔ آپ کو راستے دلوانے کے واسطے ہے۔ امن و امان برقرار رکھنے کے واسطے ہے۔ پولیس کا ہونا بہت ضروری' مگر یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے ہر جھگڑے میں پولیس کو لیے آ رہے ہیں اور ہر جھگڑے میں پولیس کو enter ہونے کا موقع دے رہے ہیں۔ یہ تو ہماری اپنی کم زوری ہے نا! لہٰذا یہ نہیں ہونا چاہیے۔

کوئی سڑک پر مشکل ہے' کوئی ٹریفک ہے' راستہ ہے' یہ ہے وہ ہے۔ جو ڈیوٹیاں پولیس کی ہیں وہ پولیس انجام دیتی ہے لیکن اپنے ہر معاملات میں پولیس کی مداخلت مناسب نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی!

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن میں صاف صاف لکھا ہوا ہے:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورۂ کافرون: آیت ۶)

"ہم اپنے دین پر' تم اپنے دین پر"۔

ہم نے اُصولِ دین کے معاملے میں جھگڑے ہوتے ہوئے دیکھے ہیں کیوں کہ اُصولِ دین میں تقلید نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے: میں اللہ کو ایسا سمجھتا ہوں اور آپ ایسا سمجھتے ہیں۔ کیا اللہ قیامت کے دن دکھائی دے گا یا دکھائی نہیں دے گا؟

توحید کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ اللہ عادل ہے کہ نہیں؟ عدل کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ رسولؐ نوری ہے کہ خاکی؟ اس کا جھگڑا ہے۔ خلافتِ علیؑ کے معاملے میں تو پورا اکھاڑا سجا ہوا ہے اور شدید جھگڑا ہے (صلواۃ)۔

قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہو گا یا نہیں؟ اللہ دکھائی دے گا بیٹھا ہوا عرش پر یا نہیں؟ اس میں جھگڑا ہے۔ اُصولِ دین کے جھگڑے تو اُمت والوں سے ہوتے آئے ہیں اور ہماری علم کلام کی کتابوں میں اُصولِ دین کے جھگڑے پر' ان کے سوالات اور ان کے اعتراضات پر جوابات دیئے گئے ہیں۔ لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اب تھوڑے ہی دنوں سے فروعِ دین کے معاملات میں بھی جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ اذان کے مسئلے پر جھگڑا ہے' نماز کے مسئلے پر جھگڑا ہے اور عبادات کے مسئلے پر جھگڑا ہے۔

دیکھیے!

یہ جھگڑے مناسب نہیں ہیں آپ کی جو سمجھ میں آئے' وہ مجھے سمجھو لیکن میں ناصبی اور مشرک نہیں ہوں اور نہ ہی آپ کو نصیحت کرنے کے لیے بیٹھا ہوں' مگر میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ محبانِ علیؑ کی یہ ایک چھوٹی سی قوم پُر امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزارے۔

محرم' اتحاد کا پیغام لے کر آتا ہے اس لیے اتحاد کی فضا میں پورا محرم گزارا جائے۔ آپ کو جو سمجھ میں آئے وہ کیجیے۔ اگر آپ تقلید نہیں کرنا چاہتے تو نہ کیجیے لیکن مقلدین کو برا بھلا بھی نہ کہیے......

آپ کے خیال میں جس نے دین کی خدمت نہیں کی آپ اس کا نام بھی نہ لیجیے لیکن گیارہ سو برس سے جو مراجع کرام دین کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں اپنی زندگی صرف کر رہے ہیں اور جنھوں نے سب کچھ لٹا دیا ہے آپ کو یہ حق تو نہیں پہنچتا کہ آپ ان کی توہین و تذلیل کریں۔

آپ کس کی تقلید کرنا چاہتے ہیں جس کی چاہیں تقلید کیجیے۔ اگر تقلید کرنا چاہتے ہیں تو آپ آزاد ہیں جس کی چاہیں تقلید کریں اور اعمال کے سلسلے میں جھگڑا نہ کریں۔ آپ کا مرجع جو حکم دیتا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ نہ آپ مجھ سے پوچھیں کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کیوں کہ میں بھی اپنے مرجع کے حکم کا پابند ہوں اور آپ بھی اپنے مرجع کے حکم کے پابند ہیں لہٰذا آپ کا مرجع جو کہتا ہے آپ اس پر عمل کیجیے اور ہمارا مرجع جو کہتا ہے ہم اس پر عمل کریں گے۔

جہاں تک علما کا سوال ہے اور جہاں تک بزرگوں کا سوال ہے کیوں کہ اب وقت ختم ہو رہا ہے میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ ہماری قوم میں ایسے ایسے بزرگ علما گزرے ہیں جو بڑی عظمت کے مالک تھے۔ ان میں ایک مثال یہ ہے کہ نادر شاہ دُرانی نجف پہنچا ہے۔ اس کے سامنے ہر ایک انسان کانپتا تھا۔ یہ وہ نادر شاہ دُرانی ہے جو ہندوستان تک حملہ کرتا ہوا آیا تھا اور لوٹ کرلے گیا تھا ہندوستان کو حتیٰ کہ تخت طاؤس بھی لے گیا تھا۔

نادر شاہ دُرانی جس وقت نجف پہنچا تو سارے علمائے نجف اس کو ملنے کے لیے آئے لیکن ایک سید علی خارکش تھے وہ نہیں آئے ملنے۔ اس نے پوچھا: کوئی ایسا

ہے جو نہ آیا ہو؟

کہا: ایک ہے جو نہیں آیا۔

نادر شاہ نے کہا: لاؤ اُسے۔

کہا: وہ نہیں آئیں گے کیوں کہ وہ بادشاہوں سے بڑے دنوں سے ملتے نہیں ہیں۔

نادر شاہ نے کہا: پکڑ کر لے آئیں۔

پھر کہا: نہیں! گرفتار کر کے نہ لانا' میں خود چلوں گا۔

نادر شاہ خود چل کر وہاں آیا اور تہہ خانہ جو پرانے زمانے میں عرب میں ہوتا تھا وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ چٹائی بچھی ہوئی تھی وہاں سید علی بیٹھے ہوئے تھے۔ سلام دعا اور مزاج پُرسی کے بعد نادر شاہ نے دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی دیواریں اور مٹی چھپٹی ہوئی برا حال...... کہنے لگا: سید! تُو نے بڑا کام کیا ہے کہ دنیا کو چھوڑ دیا۔

سید نے جواب دیا: میں نے تو کوئی کام نہیں کیا' کام تو تم نے کیا ہے کہ آخرت کو چھوڑ دیا۔

لوگ سمجھے کہ اب یہ تلوار نکال کر ان کی گردن اُڑا دے گا لیکن نادر رونے لگا اور کہنے لگا: مجھ سے کچھ فرمایئے' کوئی فرمائش کیجیے۔

سید نے کہا: اچھا! تُو میرے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے؟

نادر نے کہا: ہاں۔

سید نے کہا: اس تہہ خانے میں مچھر بہت ہیں ان کو منع کر دو کہ مجھے نہ

کاٹیں کیوں کہ یہ مجھے بہت کاٹتے ہیں۔

نادر شاہ کہنے لگا: سید! میں مچھروں کو کیسے منع کر سکتا ہوں؟

سید نے کہا: نادر! کچھ تو سوچ' جب ایک مچھر پر تیری حکومت نہیں ہے اور ایک مچھر تیرے قابو میں نہیں آ سکتا تو پھر تُو میرے لیے کیا کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر سید خاموش ہو گئے۔

بجائے اس کے کہ نادر شاہ کو غصہ آتا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور کہنے لگا: سید! کچھ باتیں کیجیے۔

سید کہنے لگے: باتیں کیا کریں' میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک کتا' امیرالمومنینؑ کے حرم میں داخل ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیسا خواب ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ جب سے تُو آیا ہے کہ اصل میں تُو ہی اس کی تعبیر ہے۔

اب نادر شاہ خوب رویا' وہاں سے نکلا' سونے کی زنجیر بنوائی اور اس نے کہا کہ اس کو میں گلے میں ڈالو اور کتے کی طرح چاروں ہاتھ پیر ٹیکتا ہوا مولا علیؑ کی چوکھٹ پر آیا۔ وہ زنجیر آج تک صحن میں لگی ہوئی تھی لیکن صدام کے زمانے میں غائب کر دی گئی۔

عزیزانِ گرامی!

یہ ہمارے علما کا کردار تھا۔ please میں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ آپ ان کی شان میں گستاخی نہ کیجیے۔ آپ کو جو سمجھ میں آئے وہ کیجیے۔ جس کو مانتے ہو' مانیے اور جس کو نہیں مانتے ہو' نہ مانیے۔ مگر یہ گستاخیاں' بدتمیزیاں اور بدامنی کا

ماحول پیدا کرنا مناسب نہیں ہے۔

یہ محرم کا مہینہ ہے اور اس میں ہم کربلا کے شہیدوں اور بے کسوں کو روتے ہیں، جن کو تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید کر دیا گیا۔

ذکرِ مصائب: یتیم حسنؑ شہزادہ قاسمؑ کی شہادت

حضرات! وقت گزر گیا اور آج ساتویں رات آ گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ رات کون سی رات ہے؟ آج کی رات ہم معصومہ عالمؑ کو ان کے یتیم پوتے کا پُرسہ دیتے ہیں۔ بی بیؑ! قاسمؑ کا پُرسہ قبول کیجیے جو تین برس کے سن میں اپنے باپ سے محروم ہو گیا تھا مگر دس برس تک چچا نے ایسا پالا کہ قاسمؑ کو یتیمی کا احساس تک نہ ہوا۔ لیکن عاشور کا دن آیا اور قاسمؑ کو میدان میں جانے کی اجازت نہ ملی۔ وہ تعویذ یاد آیا۔ تعویذ کھول کر دیکھا تو باپ کا خط نکلا اور وہ خط لیے ہوئے قاسمؑ چچا کے پاس آئے۔ عرض کیا: چچا! یہ میرے بابا کا خط ہے۔

حسینؑ بھائی کے خط کو دیکھ کر بہت روئے اور قاسمؑ کو اپنے ہاتھوں سے گھوڑے پر سوار کیا۔ روایات میں ہے کہ جب حضرت قاسمؑ جانے لگے تو حسینؑ نے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ میں کہوں گا: شاید اس لیے چاک کیا ہو کہ جب دادا کے پاس جانا تو فریادیوں کی طرح جانا۔

قاسمؑ جہاد کرتے رہے بڑی شان سے جہاد کیا' بڑا زبردست جہاد کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ آخر میں ایک لعین نے کہا کہ یہ لوگ قاسمؑ سے غلط لڑ

رہے ہیں اگر سامنے سے آ کر لڑتا ہے تو یہ لڑکا سب کو مار ڈالے گا لہٰذا اس کو دھوکے سے قتل کرو۔ ایک لعین نے پہلو پر نیزہ مارا، ایسے نیزہ مارا کہ حضرت قاسمؑ گھوڑے سے گرے اور آواز دی:

یَا عَمَّاہُ......

''اے چچا! میری خبر لیجیے''۔

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ جتنا تیز قاسمؑ کے لاشے پر آئے ہیں، اتنا تیز کسی اور کے لاشے پر نہیں گئے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اِدھر حسینؑ تھے اور اُدھر فوجیں تھیں اور بیچ میں قاسمؑ کا لاشہ تھا۔ جب امام حسینؑ فوجِ اشقیا پر جھپٹے تو فوجیں قاسمؑ پر سے ہوتی ہوئیں گزر گئیں۔ جب امام حسینؑ پہنچے تو قاسمؑ کی لاش پامال ہو چکی تھی۔

امامؑ نے شہزادےؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے میرے لال! تیرا چچا آ گیا ہے مگر تیری کوئی مدد نہیں کر سکا''۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ

مجلسِ نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

ارشادِ پروردگارِ عالم ہے:

''یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی اولاد اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم میں''۔

عزیزانِ گرامی!

ان آخری مجالس میں مجھے اپنے بیان کا پورا خلاصہ آپ کو دینا ہے۔ اللہ نے آلِ ابراہیمؑ کو منتخب کیا۔ میں نے بڑی تفصیل سے آلِ ابراہیمؑ کی کہانی دو تین مجالس میں آپ کو سنائی' حضرت سارہؑ سے لے کر کل کی مجلس تک۔

کل ہمارے اور آپ کے درمیان بات یہاں تک پہنچی تھی کہ بنی اسرائیل جو مصر میں آباد ہو گئے تھے حضرت یوسفؑ کے زمانے سے' انھوں نے برسوں مصر پر حکومت کی۔ پھر جب ان کی حکومت ختم ہو گئی تو دوسرے لوگ وہاں کے بادشاہ ہو گئے اور بنی اسرائیل ان کے غلام بن گئے۔

دنیا کی تاریخ میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ حاکم قومیں محکوم ہو جاتی ہیں اور محکوم قومیں حاکم ہو جاتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب حد سے سوا ہوا ظلم بنی اسرائیل کے اوپر تو اللہ نے بنی اسرائیل میں سے ہی ایک شخص کو نبی مبعوث کیا جن کا نام حضرت موسیٰ تھا۔ حضرت موسیٰ کے والد کا نام عمران تھا۔ حضرت عمران کے دو بیٹے تھے: ایک حضرت ہارونؑ اور ایک حضرت موسیٰ۔

حضرت عمران کی نسل کو حضرت موسیٰ یہاں سے نکال کر لے گئے اور شام میں لے جا کر آباد کر دیا اور وہاں یہ آزاد ہوئے لیکن یہ تھے تھوڑے سے موذی۔ جب حضرت موسیٰ ان کو نکال کر لے گئے اور شام میں ان کی entry ہونے لگی تو حکم خدا آیا:

وَّ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ (سورۂ بقرہ: آیت ۵۸)

"اور دروازے پر سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے حِطَّہ (بخشش) کہتے ہوئے آؤ تو ہم تمھاری خطائیں بخش دیں گے"۔

یہ قرآن میں آیت ہے ملاحظہ کر لیں۔

جب تم داخل ہونا اس ملک میں تو اس کے دروازے پر یعنی entry پر سجدہ کرنا اور (حِطَّۃٌ) کہنا تو اللہ تمھیں حکومت دے گا۔

وہ قوم بڑی موذی تھی۔ اتنی کرم نوازی کے باوجود بھی جب وہ داخل ہونے لگے تو انھوں نے نہ تو سجدہ کیا اور نہ ہی "حِطَّہ حِطَّہ" کہا۔ حِطَّہ کے معنی اس

زمانے کی لینگویج میں۔ یہ عربی لفظ نہیں ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ حِطَّہ کے معنی ہیں برکت۔

غور کیا آپ نے!

حِطَّہ حِطَّہ کہنا یعنی برکت برکت کہتے ہوئے تم داخل ہونا اور سجدہ کرنا۔ انھوں نے نہ سجدہ کیا' نہ حِطَّہ حِطَّہ کہا اور ایسے ہی چلے گئے۔ اللہ کی مشیت میں یہ چیز ناگوار گزری کہ ہم نے تو کہا تھا کہ سجدہ کرنا اور حِطَّہ حِطَّہ کہنا اور تم ایسے ہی داخل ہو گئے۔ وہ وہاں جا کر راستہ بھول گئے اور چالیس برس تک بھٹکتے رہے اور ان کو راستہ نہ ملا۔ ایک دن' نہ ایک سال' نہ دو برس بلکہ forty years۔

قرآن کہتا ہے کہ وہ بھٹکتے رہے اور راستہ نہ ملا ان کو چالیس برس کی سزا دی تھی اللہ نے۔

چالیس برس کی سزا کاٹ لی موسیٰؑ کی اُمت نے پھر ان کو اس میں انٹری کا راستہ ملا۔ یہ قرآن میں لکھا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ کا آخری رسولؐ آیا اور اس نے اپنی اُمت کو ہر طرح سے منظم کر لیا' مکمل کر لیا' ہر برائی سے نجات دے دی' نماز روزے کا پابند بنا دیا اور اعمالِ خیر کی تبلیغ کر دی تو آخر میں ایک موقع ایسا آیا کہ رسولؐ خدا نے ایک جلسہ کر کے اعلانِ خدا سے پالانِ شتر کا منبر بنا کر اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے علیؑ کو مولا قرار دیا (نعرۂ حیدری)۔

حکم یہ دیا کہ علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرو اور مولا مولا کہو۔ اُن لوگوں نے

سجدہ نہیں کیا اور حِطَّہ حِطَہ نہیں کہا اور ان لوگوں نے علیؑ کی بیعت نہیں کی اور مولا مولا نہیں کہا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

سزاؤں کی مدت جرم کی نوعیت پر ہوتی ہے۔ چھ مہینے کی سزا بھی ہوتی ہے' سال بھر کی' دو برس کی' تین برس کی' پانچ برس کی' دس برس کی' بارہ برس کی اور عمر قید بھی ہوتی ہے۔ ہے کہ نہیں ہے؟ اُن کو چالیس برس کی سزا دی اللہ نے اور چالیس برس کے بعد اُنھیں راستہ مل گیا لیکن علیؑ کے منکرین کو اللہ نے پتا نہیں کتنی سزا دی کہ چودہ سو برس ہو گئے ابھی تک انھیں راستہ نہیں ملا (نعرۂ حیدری)۔

کسی کے دل میں نہ آئے کہ میں نے اپنی طرف سے پڑھ دیا ہے۔ اتنے بڑے مجمع میں کوئی اپنی طرف سے پڑھنے کی ہمت نہیں کرتا۔ حدیثِ رسولؐ موجود ہے:

"علیؑ! تمھاری مثال بابِ حِطَّہ کی سی ہے" (صلوات)۔

حضرت موسیٰؑ کی اُمت وہاں جا کر آباد ہوئی اور اس کے بعد ان میں انبیا کا سلسلہ شروع ہوا۔ بنی اسرائیل کے جتنے نبی تھے' وہ سب حضرت ہارونؑ و حضرت موسیٰؑ کی نسل سے تھے۔ لیکن قرآن بتاتا ہے کہ ان میں ایسے...... پیدا ہونے لگے' ایسے...... پیدا ہونے لگے اور ایسے مذہبی رہنما پیدا ہونے لگے جو لوگوں کے اموال کھا جاتے تھے' لوگوں پر ظلم کرتے تھے' پیغمبروں کو قتل کرتے تھے اور اللہ والوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔

جب ان کا ظلم و زیادتی اور تشدد حد سے بڑھ گیا تو اللہ نے انھی میں سے

ایک شخص حضرت عمران کو' جن کا نام بھی عمران تھا۔ یہ دوسرے عمران ہیں۔ واضح رہے کہ ایک عمران وہ ہیں جن کے بیٹے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ تھے۔ اب یہ دوسرے عمران ہیں۔ یہ انہی عمران کے خاندان سے اور انہی عمران کی نسل سے ہیں۔ وہی بنی اسرائیل اور وہی آلِ ابراہیمؑ۔

حضرت عمران کو اللہ نے ایک بیٹی دی' بیٹا نہیں دیا اور بیٹی کو تاجِ عصمت پہنا کر بھیجا کیوں کہ بیٹی معصومہ تھی لہٰذا زندگی بھر اللہ کے گھر میں مقیم رہی یعنی بیت المقدس میں حضرت مریمؑ رہیں۔ حضرت زکریاؑ جو اس زمانے کے نبی تھے اور رشتہ میں حضرت مریمؑ کے پھوپھا بھی تھے' وہ اللہ کی طرف سے مقرر ہوئے جو حضرت مریمؑ کی ضروریات اور کھانے پینے کا انتظام کرتے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت مریمؑ کے سامنے جنت سے میوے لا کر رکھے جاتے تھے اور جب حضرت زکریاؑ داخل ہوتے تھے حضرت مریمؑ کے حجرے میں تو وہاں ہمیشہ بغیر موسم کے میوے رکھے ہوئے پاتے۔

جب سیب کا کہیں وجود نہ ہوتا تو ان کے ہاں تازہ سیب رکھے ہوئے ہوتے۔ جب انگور کا کہیں وجود نہ ہوتا تو ان کے ہاں تازہ انگور کے خوشے رکھے ہوئے ہوتے۔ حضرت زکریاؑ کہتے تھے: یہ کہاں سے آئے؟ اور حضرت مریمؑ جواب دیتی تھیں:

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۷)

"بے شک! اللہ جسے چاہتا ہے' بے حساب روزی دیتا ہے"۔

اچھا! بغیر موسم کے میوے اس لیے ملے۔

کسی انسانی دماغ میں یہ خلل نہ ہو کہ کوئی انسانی ہاتھ رکھ کر جاتا تھا۔ انسانی ہاتھ موسم کے میوے تو رکھ سکتا ہے مگر بغیر موسم کے میوے نہیں رکھ سکتا۔ لیجیے! اس وقت اگر کوئی عام آدمی چاہے کہ بغیر موسم کے میوے مہیا کرے تو وہ آدمی مر جائے گا لیکن مہیا نہیں کر سکے گا۔ بغیر موسم کے میوے جو ہیں وہ مریمؑ کے سامنے رکھے ہوئے تھے اور ہمیشہ بغیر موسم کے میوے ہی آئے۔ معلوم ہوا' جب اللہ والوں کو ملتا ہے تو ہمیشہ بلا فصل ہی ملتا ہے۔

اب یہ مریمؑ تھیں جن کے لیے جنت سے میوے آتے تھے تو جب ہر روز آتا تھا میوہ تو پھر انتظار بھی رہتا ہوگا کہ آج کیا آتا ہے' دیکھیے آج کیا آتا ہے۔ یہ عمران کی بیٹی تھی جو جنت کے میووں کا انتظار کرتی تھی اور وہ محمدؐ کی بیٹی تھی جس کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیوں کا جنت انتظار کرتی تھی (نعرۂ حیدری..... صلوٰۃ)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ حضرت مریمؑ تھیں۔ حضرت مریمؑ کو اللہ نے بغیر شادی کے بیٹا عطا فرمایا۔ بغیر شادی کے بیٹا اس لیے دیا' سن لیجیے! قانونِ عصمت یہ ہے کہ معصومہ کی شادی غیر معصوم سے نہ ہو اور قانونِ فطرت یہ ہے کہ جب تک لڑکی کی شادی نہ ہو گی' اولاد بھی نہ ہو گی۔

فطرت کہتی ہے کہ جب تک شادی نہیں ہو گی اولاد نہیں ہو گی اور عصمت کہتی ہے کہ شادی ہو مگر معصوم سے ہو' غیر معصوم سے نہ ہو۔ دو قوانین میں جب

ٹکراؤ ہو تو پھر یا تو معصومہ کو غیر معصوم کے ہاتھ پکڑا دیا جائے تو اِس سے قانونِ عصمت ٹوٹتا یا پھر بغیر شادی کے بیٹا دیا جائے تو اس سے قانونِ فطرت ٹوٹتا۔

قدرت نے کہا: ہمیں قانونِ عصمت زیادہ پیارا ہے ہم وہ نہیں توڑیں گے اور قانونِ فطرت ہم کئی دفعہ توڑ چکے ہیں۔ آگ کی فطرت ہے جلا دینا' ہم نے توڑا۔ پانی کی فطرت ہے ڈبو دینا' ہم نے توڑا۔ اگر ابراہیمؑ کے لیے آگ کی فطرت بدل جاسکتی ہے اور موسیٰؑ کے لیے پانی کی فطرت بدل جاسکتی ہے تو کیا عیسیٰؑ کے لیے فطرت نہیں بدل جاسکتی؟

اللہ نے وحی کی اور فرشتے نے آ کر بشارت دی اولاد کی۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت مریمؑ کانپنے لگیں اور فرمایا: (معاذ اللہ) کیا بات کرتے ہو؟

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ

"مریمؑ نے عرض کیا: پروردگار! مجھے لڑکا کیوں کر ہوگا حالاں کہ میرا جسم کسی انسان کے جسم سے مس نہیں ہوا۔ touch نہیں ہوا ہے" (سورۂ آلِ عمران: آیت ۴۷)۔

لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ

"کسی بشر سے میرا جسم مس نہیں ہوا ہے اولاد کہاں سے ہو جائے گی؟"

فرشتے نے کہا: نہیں! ہوگی اولاد اللہ کی قدرت سے۔ پھر قرآن کہتا ہے:

فَجَآءَ......

"فوراً وقت ولادت آ گیا"۔

یہ بھی سن لیجیے آپ حضرات! بچے سن لیں اچھی طرح کہ حضرت عیسیٰؑ کی مدتِ حمل نو مہینے نہیں ہے اور وہ نو مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں نہیں رہے۔ ادھر فرشتہ بشارت د[illegible]ور ادھر ان کو دردِ زہ کی تکلیف شروع ہوئی۔ یعنی مدت حمل دو تین منٹ تو کہی جا سکتی ہے مگر نو مہینے نہیں اور یہ بات قرآن کہہ رہا ہے:

فَجَآءَ......

اس کا مطلب ہے کہ وقت ولادت آ گیا' ادھر فرشتہ گیا اور ادھر وقت ولادت آ گیا۔ عربی زبان میں جو حرف ہیں وہ لفظوں کے بدلے استعمال ہوتے ہیں 'ف' ہے 'ت' ہے 'ل' ہے۔ مختلف الفاظ ہیں جو حرفوں کے بدلے استعمال ہوتے ہیں ان میں ایک 'ف' بھی ہے۔ اس کے بہت سے معنی ہیں۔ ایک 'ف' فوراً کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

فَجَآءَ......

"فوراً وقت ولادت آ گیا"۔

ترجمہ قرآن کی آیت کا یہ ہوگا کہ ادھر فرشتہ گیا فوراً وقتِ ولادت آ گیا۔ اس 'ف' کو آپ پہچانتے ہیں۔ خالی بات اتنی سی ہے کہ میں ذرا سا آپ کو متوجہ کر دوں۔ ویسے تو حرف جو ہیں عربی میں لفظوں کے بدلے استعمال ہوتے ہیں مگر وہ لوگ جو عربی نہیں جانتے وہ اس کو نہیں جانتے مگر یہ 'ف' جو ہے فوراً والا اس کو آپ سب لوگ جانتے ہیں۔ ابھی جب میں کہوں گا تو سب کی سمجھ میں آ جائے گا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ...... (نعرہ حیدری)

هٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ بھی ہو سکتا تھا مگر رسولؐ نے فرمایا: فَهٰذَا...... یہ 'ف' فوریت ہے یعنی without delay بغیر دیر کے فوراً 'imediately' جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

یہ دوسرے عمران تھے جن کی اولاد حضرت مریمؑ تھیں اور حضرت عیسیٰؑ۔ یہ دوسرے عمران ہیں۔ اب اس کے بعد تاریخ میں تیسرے عمران گزرے ہیں حضرت ابوطالبؑ کا اصلی نام عمران تھا (صلوات)۔

حضرت ابوطالبؑ کی نسل سے بارہ امامؑ ہیں چوں کہ تفسیر بالرائے کی اجازت نہیں ہے اور میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آلِ عمران سے مراد حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ ہیں یا آلِ عمران سے مراد بارہ امامؑ۔ میں اس سلسلے میں بالکل no comment۔ مگر ایک بات میں جانتا ہوں کہ جب سلسلۂ نبوت چل رہا تھا اور نسل ابراہیمؑ میں چل رہا تھا' جب track بدلا گیا اور پٹڑی بدل گئی تو پھر ایسا تو نہیں ہے رسالت کا سلسلہ آلِ ابراہیمؑ سے منسوب کیا گیا اور امامت کا سلسلہ آلِ عمران سے کیا گیا۔ بہرحال اگر ہمارے بارہ امامؑ آلِ عمران کے زمرے (category) میں آتے ہیں تو اس میں آئیں ورنہ نسل ابراہیمؑ سے تو ہیں اور آلِ ابراہیمؑ سے تو ہیں اس مسئلے میں چوں کہ معاملہ تفسیری اور قرآنی ہے اور اس میں ہم کو دماغی اُلٹ پھیر کی اجازت نہیں ہے۔ بھئی! اس معاملے کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہوں اور مجھے آپ سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ اگر آلِ ابراہیمؑ منزل

انتخابِ قدرت میں آ سکتے ہیں اور آلِ عمران منزلِ انتخاب قدرت میں آ سکتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آلِ محمدؐ منتخب نہ ہوں؟

یہ غور کرنے کی چیز ہے! قرآن میں اس کے علاوہ آیتیں بھی ہیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (سورۂ حدید: آیت ۲۶)

"ہم نے بھیجا نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کو اور قرار دیا ان کی ذریت میں نبوت و کتاب کو"۔

اگر ذریتِ نوحؑ نبوت و کتاب کی حامل بن سکتی ہے' اگر ذریتِ ابراہیمؑ نبوت و کتاب کی حامل ہو سکتی ہے' ذریتِ عمران نبوت و کتاب کی حامل بن سکتی ہے تو ذریتِ محمدؐ نے قصور کیا کیا ہے؟ یہ بتا دیجیے۔ ہم نے دیکھا کہ رسولؐ کے جانے کے بعد اُمت نے آلِ رسولؐ کے احترام کو پس پشت ڈال دیا اور آلِ رسولؐ کا جو احترام و عزت ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی بلکہ آلِ رسولؐ کی توہین کی گئی اور آلِ رسولؐ کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کسی نبی کی آل کے ساتھ کسی اُمت نے نہیں کیا۔ تاریخ میں واقعات موجود ہیں۔ ہم ان واقعات کو اس لیے نہیں پڑھتے ہیں کہ جذبات کے آبگینوں کو ٹھیس لگ جائے گی۔ لوگوں کو دُکھ نہ ہونے لگے' کسی کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اس لیے ہم نہیں پڑھتے ہیں ورنہ دل پر تو ہمارے بڑا گہرا اثر ہے کہ رسولؐ کی بیٹی سے گواہ مانگ لیے گئے۔ سوچنے کے قابل بات ہے۔ یہ عدالت اسلامی نہیں ہے اس لیے کہ فاطمہ زہراؑ جو ہیں وہ رسول اللہؐ کی بیٹی ہیں' وہ

آلِ رسولؐ ہیں۔ ہر آدمی سے سب سے زیادہ قریب جو ہے وہ اس کی اولاد ہوتی ہے۔ رسولؐ سے سب سے زیادہ قریب حضرت فاطمہؑ ہیں۔ جس حکومت کو فاطمہؑ پر اعتبار نہ ہو وہ کس پر اعتبار کرے گی؟ جب کہ یہ فاطمہؑ وہ ہیں کہ جن کو دیکھ کر رسولؐ اللہ نے کہا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے......

دیکھیے! فاطمہؑ کا رُتبہ دیکھیے۔ پیغمبروں کو بیٹیاں ملیں، اللہ والوں کو بیٹیاں ملیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی بیٹی ملی، حضرت موسیٰؑ کو بھی بہن ملی، لیکن علیؑ کو زوجہ ملیں، فاطمہ زہراؑ جیسی بیٹی رسولؐ کو ملی، ان کو دیکھ کر رسولؐ نے فرمایا: ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا'' (صلوٰۃ......نعرۂ حیدری)۔

''اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا''۔ کفو کہتے ہیں برابر والے کو۔ یعنی کوئی فاطمہؑ کے برابر نہیں تھا۔ اس کے بعد یہ کہہ دیا تاکہ کسی معمولی آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم فاطمہؑ کے برابر نہیں؟ ہم فاطمہؑ کے برابر نہیں۔ آدمؑ ہوں یا ان کے علاوہ ہوں۔ معلوم ہوا پیغمبروں میں کوئی فاطمہؑ کا جواب نہیں تھا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے...... اب ہماری سمجھ میں آئی عظمتِ فاطمۃ الزہراؑ۔ آلؑ کی عظمت سمجھیے پہلے، آلِ رسولؐ...... مجھے کل اور آج کی مجلس میں آلِ رسولؐ کو سنانا ہے آپ کو۔ آلِ رسولؐ کی عظمت سمجھیے کہ آلِ رسولؐ کیا ہیں؟ آلِ رسولؐ کی عظمت یہ ہے کہ علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کے برابر کوئی نہیں تھا۔ آپ لکھنؤ کبھی گئے نہیں ہیں۔ لکھنؤ میں مسجدیں وامام باڑے دیکھے نہیں ہیں۔ میں نے کہا: وہاں ایک مسجد ہے اس کا ایک ہال ہے۔ کتنا بڑا ہال ہے۔

انھوں نے کہا: exact اتنا بڑا ہال ہے جتنا بڑا یہ ایرانی مسجد کا ہال ہے۔ بالکل نہ ایک انچ اس سے بڑا ہے نہ ایک انچ اس سے چھوٹا ہے بالکل ایسا ہی ہے same ایسے ہی ہے۔ بھلے آپ لکھنؤ نہیں گئے لیکن آپ نے اس ہال کو دیکھ کر اس ہال کا اندازہ لگا لیا کہ کیسا ہال ہے۔ فاطمہؑ زندگی بھر پردے میں رہیں تو فاطمہؑ کے معجزے بھی پردے میں رہے' فاطمہؑ کی کرامتیں بھی پردے میں رہیں' فاطمہؑ کی فضیلتیں بھی پردے میں رہیں' فاطمہؑ کے مرتبے بھی پردے میں رہے۔ علیؑ نگاہوں کے سامنے رہے۔ رسولؐ نے فرمایا: علیؑ کو دیکھ کر فاطمہؑ کو پہچانو (نعرۂ حیدری)۔

علیؑ کو دیکھو اور فاطمہؑ کو پہچانو کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو کوئی فاطمہؑ کے برابر کا نہیں تھا۔ اب جو ہم نے علیؑ کو دیکھا تو معلوم ہوا:

"جو کعبہ میں پیدا ہوئے وہ علیؑ"

"جو رسولؐ کی گود میں پلے وہ علیؑ"

"جنھوں نے دعوتِ ذوالعشیرہ میں نصرت کا وعدہ کیا وہ علیؑ"

"جو شبِ ہجرت جان بیچ کر سوئے وہ علیؑ"

"جو بدر کے فاتح بنے وہ علیؑ"

"جو اُحد کے فاتح بنے وہ علیؑ"

"جن کے لیے ذوالفقار آئی وہ علیؑ"

"جنھوں نے عمر کو قتل کیا وہ علیؑ"

"جنھوں نے مرحب کو دو کیا وہ علیؑ"

جو خطیبِ منبر سلونی تھے وہ علیؑ

جو صاحبِ آیت تطہیر تھے وہ علیؑ

جو صاحبِ آیتِ ولایہ تھے وہ علیؑ

جو صاحبِ آیہ شبِ ہجرت کا مصداق بنے وہ علیؑ

جو سوارِ دوشِ رسولؐ تھے وہ علیؑ

جن کے لہجے میں خدا نے شبِ معراج بات کی وہ علیؑ (نعرۂ حیدری)۔

جب فضائل کے اتنے زینے طے کر لیتے ہیں تو فاطمہؑ کے برابر آتے ہیں۔ اب وہ فاطمہؑ کتنی عظیم ہوں گی کہ اتنے زینے فضائل کے طے کرنے کے بعد علیؑ ان کے برابر آئے (صلواۃ..... نعرۂ حیدری)۔

یہ فاطمہ زہراؑ ہیں' آلِ رسولؐ ہیں۔ ان کے آلِ رسولؐ ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ پورا عالم اسلام سر جھکائے ہے اس معاملے میں کہ فاطمہ زہراؑ رسولؐ اللہ کی صاحب زادی ہیں۔ اب میں اس میں زیادہ تفصیل سے کچھ نہیں پڑھوں گا۔ اس لیے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میری آواز کہاں کہاں جارہی ہے اور اس آواز کو کون کون سن رہا ہے۔ مگر پھر میں ایک دوستانہ' محبتانہ' عزیزدارانہ request کروں گا کہ آپ یہ سوچیے کہ حضرت سیدہؑ رسولؐ اللہ کی کیا لگتی تھیں؟ اور ان کا مرتبہ کیا تھا؟ اس کے بعد تاریخ سے یہ پوچھیے کہ حضرت سیدہؑ کے ساتھ کیا ہوا؟ پھر اس کے آگے اسلام کی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کریے گا۔ اس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پہلو بچانے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ میں بہت تفصیل کے

ساتھ بھی اس موضوع کو پڑھ سکتا ہوں مگر میں تفصیل کے ساتھ اس لیے نہیں پڑھ سکتا کہ اس سے دل کے آبگینوں کو ٹھیس لگ جاتی ہے۔ آج وہ چیز سنیے اور متوجہ ہو جایئے جہاں جہاں میری آواز جارہی ہے۔ ہر انسان جتنے بھی بیٹھے ہیں یہاں آلؑ کا کسی سے comparison نہیں ہے وہ لوگ جو آلؑ سے comparison کرتے ہیں بہت ناتجربہ کاری کی بات کرتے ہیں اور بڑی غلطی کی بات کرتے ہیں۔ آلؑ کا کسی سے comparison نہیں ہے۔ دیکھیے! میں صرف رسولؐ کی بات نہیں کر رہا ہوں اس مجلس کے جتنے audience ہیں میں ان سب کی بات کر رہا ہوں۔ کتنے آدمی اس مجلس میں بیٹھے ہیں اور جتنے صاحب اولاد ہیں ان سب سے مخاطب ہوں کہ آل کیا ہے؟؟ آپ کے پڑوسی بھی ہیں کچھ؟ ہوں گے، آپ کے دوست بھی ہیں؟ ہوں گے، آپ کے عزیز بھی ہیں؟ ہوں گے۔ آپ سے بڑے اچھے برادرانہ تعلقات بھی کچھ لوگوں کے ہوں گے، دوستوں اور عزیزوں میں جو آپ سے بہت محبت کرتے ہوں گے اور آپ ان سے محبت کرتے ہوں گے۔ اگر آپ کچھ حیثیت کے مالک ہیں تو آپ کے کچھ اصحاب بھی ہوں گے، ہوں گے۔ لیکن آل کا کسی سے مقابلہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی نسل جو چلے گی وہ نہ آپ کے دوست سے چلے گی، نہ آپ کے عزیز سے چلے گی، نہ آپ کے رشتہ دار سے چلے گی۔ آپ کی نسل جو چلے گی وہ آپ کی آل سے چلے گی۔ ایک جان دو قالب سہی مگر اس کا بیٹا اس کا بیٹا ہے آپ کا نہیں۔ بچپن کی دوستی سہی مگر اس دوستی سے اس کا لڑکا آپ کا نہیں

بن جائے گا وہ اس کا لڑکا رہے گا۔ معلوم ہوا انسان کی نسل کا سلسلہ جو آگے بڑھتا ہے وہ آل سے بڑھتا ہے۔ رسولؐ اللہ سے جتنے بھی متعلق کل یا آج یا کل کو ہو جائیں وہ متعلق ہی رہیں گے۔ نسل آل ہی سے چلے گی۔ آلؑ محمدؐ۔

دوسری بات سنیے آل کی۔ دوسری صفت سنیے آل کی۔ آل کیا ہے؟

آل کی دوسری صفت یہ ہے کہ آپ کے گزر جانے کے بعد آپ کی responsibilities جو ہیں وہ نہ آپ کے دوست کے ذمہ جائیں گی' نہ آپ کے عزیز کے ذمہ جائیں گی' نہ آپ کے پڑوسی کے ذمہ جائیں گی' نہ آپ کے اصحاب کے ذمہ جائیں گی۔ اگر نمازیں قضا ہیں تو لاکھ دوستی سہی مگر اس کا ادا کرنا دوست پر واجب نہیں ہے' اگر روزے قضا ہیں لاکھ تعلقات سہی' تعلقات والے پر ان کا ادا کرنا واجب نہیں ہے' واجب آل پر ہے۔ معلوم ہوا آپ کی کمزوریاں اگر کچھ رہ گئی ہیں' اگر کچھ معاملے ہیں تو مرنے کے بعد اگر کوئی کچھ کرنے والا ہے تو وہ آل ہے' کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اِدھر شروع میں نسل نہیں چلے گی جب تک آل نہ ہو اُدھر مرنے کے بعد فاتحہ نہیں ہوگا جب تک آل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو آلؑ رسولؐ کے ماننے والے ہیں وہ آج تک فاتحہ دلاتے ہیں اور جو آل کے ماننے والے نہیں ہیں وہ نہیں دلاتے فاتحہ (نعرۂ حیدری)۔

یہ مسئلہ بھی آل کا ہے کہ اگر نمازیں قضا ہیں تو وہ بھی بیٹا پڑھے' روزے اگر قضا ہیں تو بیٹے کی ذمہ داری ہے۔ وہ میرے دوست تھے' بچپن کے ساتھی تھے' ساتھ میں پڑھے ہوئے تھے' ساتھ میں کھیلے ہوئے تھے مگر ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

تیسری صفت اولاد کی سنیے! ماشاء اللہ آل اولاد سب کی ہے مگر متوجہ نہیں ہیں آپ۔ عزیز یں کوئی نئی بات نہیں پڑھ رہا ہوں خالی آپ کو متوجہ کر رہا ہوں۔ اولاد کا کریڈٹ ماں باپ کو جاتا ہے۔ ماں باپ کا کریڈٹ اولاد کو جاتا ہے۔ آپ کے لڑکے نے IAS میں top کیا۔ مبارک باد آپ کو دی جائے گی۔ آپ کے دوست کو دی جائے گی۔ آپ کا لڑکا MD ہو گیا distinction کے ساتھ مبارک باد آپ کو دی جائے گی۔ آپ کا لڑکا منتری ہو گیا۔ مبارک ہو' مبارک ہو! آپ کا بیٹا اس منزل تک پہنچ گیا' خوش نصیب ہیں آپ۔ معلوم ہوا بیٹے کی کام یابی کی مبارک باد باپ کو' دادا کو' اگر دادا زندہ ہیں' دادا کو بھی دیتے ہیں۔ لائن میں ہیں آل والی (نعرۂ حیدری)۔

باپ دادا کو مبارک باد دی جائے گی پڑوسیوں کو نہیں' محلے والوں کو نہیں' ساتھ بیٹھنے والوں کو نہیں۔ جو رات میں ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں ان کو نہیں اور اولاد کے کریڈٹ کی ذمہ داری ماں باپ کو جاتی ہے اور ماں باپ کی عظمت کی ذمہ داری اولاد کو جو فائدہ ہے اولاد کو ملتا ہے۔ ارے! آپ کو نہیں جانتے ان کے دادا بہت بڑے منتری تھے۔ یہ اُن کے پوتے ہیں۔ بہت بڑے علامہ تھے ان کے والد بھی نہیں جانتے آپ بہت بڑے علامہ دہر تھے۔ علم کا سمندر تھے۔ معلوم ہوا بڑا کوئی ہے تو اس کی تعریف چھوٹے کے مقدر میں آئے گی۔ باپ اگر کچھ ہے تو بیٹا کہا جائے گا' دادا اگر کچھ ہے تو پوتا کہا جائے گا۔ اگر پوتا کچھ ہے تو دادا کی واہ واہ ہو گی' اگر بیٹا کچھ ہے تو باپ کی واہ واہ ہو گی۔ یہ صفت آل کے سوا کسی دوسرے

میں نہیں ہے۔ پڑوسی آپ کا عالم ہے تو ہوا کرے، پڑوسی آپ کا منتری ہے تو ہوا کرے۔ بچپن کا دوست آپ کا بہت بڑے عہدے تک پہنچ گیا تو ہوا کرے۔ اس سے آپ کو مطلب نہیں ہے۔ آپ کا لڑکا' آپ کا پوتا اگر پہنچ گیا ہے تو تعریف ہو رہی ہے اور اگر آپ کسی بلند عہدے تک پہنچ گئے تو اس کا فائدہ آپ کے بیٹے کو بھی ملے گا اور پوتے کو بھی ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آل کا دستور یہ ہے کہ بڑے کا فائدہ چھوٹے کو ملتا ہے، چھوٹے کا فائدہ بڑے کو ملتا ہے۔ جب یہ طے ہو گیا تو عالم اسلام ہچکچاتا کیوں ہے کہ رسولؐ کی خدمات کا کریڈٹ حسینؑ کو جائے گا (نعرۂ حیدری)۔

رسولؐ کی خدمات کا کریڈٹ حسینؑ کو جائے گا اور حسینؑ کی قربانی کا کریڈٹ رسولؐ کو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ اُن کی آلؑ ہیں اور وہ ان کی نسل میں ہیں (صلواۃ)۔

اب انشاء اللہ کل اور پرسوں کی مجالس میں عرض کروں گا' آج کا وقت تمام ہوا۔ آج تو صرف اتنا کہ حسنؑ و حسینؑ آلؑ رسولؐ ہیں۔ حضرت سیدہؑ آلؑ رسولؐ میں ہیں۔ بس ایک بات رہ جاتی ہے کہ علیؑ کیسے ہیں آلؑ رسولؐ میں۔ ارے! اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر آیت مباہلہ نے نواسوں کو بیٹا کہہ دیا تو پوری اُمت حسنؑ و حسینؑ کو ابن رسولؐ کہہ رہی ہے اور اگر علیؑ کو نفس کہہ دیا تو ہم علیؑ کو نفس نہ مانیں رسولؐ کا' علیؑ نفس رسولؐ۔

عزیزانِ گرامی!

علیؑ کے معاملے میں کبھی اِدھر اُدھر کی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ کل میں نے آپ کی خدمت میں بڑی دل سوزی سے گزارش کی تھی اور آج پھر میں آپ سے گزارش کر رہا ہوں کہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰه پر متحد ہو جایئے اور یہی وہ ہمارا اتفاقی نقطہ پروگرام ہے جس پر ہم حوضِ کوثر پر ملیں گے۔ لہٰذا اس میں اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ اب یہ رہ گیا کہ اعمال کی ادائیگی میں جو جس طریقے سے عمل کرتا ہے' تشہد جو جس طریقے سے پڑھتا ہے' جو جس مرجع کو مانتا ہے اس مرجع کے کہنے کے مطابق عمل کرے۔ ختم ہو گئی بات' اس میں جھگڑا کیسا ہے۔ خاموشی کے ساتھ اعمال ہیں ہمارے اور خدا کے درمیان ہیں ہم public کے لیے تو کرتے نہیں یہ ہمارے اور خدا کے درمیان ہیں۔ ہمارا مرجع جو کہہ رہا ہے اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اس میں جھگڑا اور اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نامِ علیؑ پر یہ جھگڑا اچھا نہیں لگتا کہ جائز ہے کہ ناجائز (نعرۂ حیدری)۔

وہ علیؑ جس نے دنیا کی کوئی تمنا نہ کی اور اپنے دل کو دنیا و آخرت کی تمام خواہشات سے پاک کر لیا۔ دنیا اس لیے نہ مانگی کہ دنیا اتنی ذلیل تھی اور اتنی حقیر تھی کہ علیؑ جیسی عظیم شخصیت کو زیب نہیں دیتا کہ وہ نظر اُٹھا کر اس فانی دنیا کو دیکھے اور آخرت اس لیے نہ مانگی کہ علیؑ نے آخرت میں جو چاہا وہ خرید لیا۔ جَو کی روٹیاں دے کر جنت خرید لی' انگوٹھی دے کر ولایت خرید لی' نفس بیچ کر رضائیں خرید لیں اور جو خرید سکتا ہو وہ مانگے کیوں؟ بہت بڑی جمیوی ہے سلیمان ہمیں بھیک مانگتے

ہوئے ملے:

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

''اے پالنے والے! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو سزاوار نہ ہو۔ تو بڑا بخشنے والا ہے'' (سورۂ آلِ عمران: آیت ۸)۔

سلیمان اللہ کے دروازے پر ہمیں بھکاری کی شکل میں نظر آئے۔ مگر علیؑ کبھی بھکاری کی شکل میں نظر نہ آئے۔ اللہ نے علیؑ کو امیر بنایا تھا تو امیری کی شان سے زندگی گزار دی اور اللہ کی ڈیوڑھی پر دکھائی تو دیئے بار بار مگر ہمیشہ تاجر کے بھیس میں آئے' فقیر کے بھیس میں نہ آئے۔ روٹیاں لے کر آ رہے ہیں تو جنت کا سودا کر رہے ہیں' انگوٹھی لے کر آ رہے ہیں تو ولایت کا سودا کر رہے ہیں' نفس لے کر آ رہے ہیں تو رضاؤں کا سودا کر رہے ہیں۔ علیؑ ہمیشہ ہمیں اسی طرح سے ملے۔ بس ہاں! ایک تمنا علیؑ کے دل میں تھی اور وہ تھی ایک بیٹے کی تمنا' اللہ اللہ اللہ! آوازیں بلند ہیں آپ کی۔

ذکرِ مصائب: شہادت حضرت عباسؑ علم دار

عباسؑ! ہماری جانیں نثار ہو جائیں۔ حرم کے پردے کا محافظ' سکینہؑ کا سقا۔ جب تک عباسؑ زندہ رہے دشمن کا لشکر خیموں سے دور رہا۔ سیدانیوںؑ کو اطمینان تھا عباسؑ زندہ ہیں۔ بچے مطمئن تھے ابھی کہ عباسؑ زندہ ہیں۔ علیؑ کے

شیر نے پوری زندگی خدمت امامؑ میں بسر کی۔ اللہ کی سرکار کا دستور یہ ہے کہ جو سر اُٹھا کر چلے اللہ کو پسند نہیں ہے، جو سر جھکا کر چلے اللہ کو پسند ہے۔ عباسؑ نے ہمیشہ اپنے کو حسینؑ کا غلام کہا۔ بھائی سے علیؑ کے بیٹے سے اور عباسؑ کا مرتبہ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ عباسؑ کا مرتبہ کیا تھا۔

عباسؑ کا مرتبہ دو جملوں میں سن لیجیے کہ عباسؑ اس ہستی کا نام ہے کہ بارہ اماموںؑ میں تین اماموںؑ کی گود کے پالے اور دو امامؑ ان کی گود میں پلے۔ پہلے امامؑ، دوسرے امامؑ، تیسرے امامؑ، یہ تین اماموںؑ نے عباسؑ کو اپنی گودیوں میں پالا ہے اور چوتھے امامؑ اور پانچویں امامؑ، عباسؑ کی گودیوں میں پلے ہیں۔ پانچ امامؑ بارہ میں سے ایسے ہیں یا امامؑ کو پالا ہے یا ان کی گود میں پلے ہیں۔

آپ سوچیے!

کس شان و مرتبے کا وہ جوان تھا جو حسینؑ سے ہاتھ جوڑے کھڑا ہے: آقاؑ! اجازت دے دیجیے۔ فرمایا: نہیں بھیا! آپؑ کو لڑنے کی اجازت نہیں۔ مشکل کشا کا بیٹا مشکل میں تھا، مشکل کشا کی پوتی نے مشکل کشائی کی، سکینہؑ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر آئی۔ آ کر عباسؑ کو گھیر لیا۔ کہا: چچا! پیاس، اے چچا! پیاس۔ حسینؑ نے بچوں کو دیکھا، عباسؑ کو دیکھا: اچھا بھیا! جا رہے ہو تو ان بچوں کے لیے پانی کی سبیل کرنا۔ یہ لیجیے سکینہؑ دوڑ کر خیمے میں گئی، ایک مشک اُٹھا لائی۔ منظر قابل دید تھا، بلند قامت چچا اپنے بلند قامت گھوڑے سے جھک کر

مشکیزہ لے رہا ہے۔ چار برس کی بچی اپنے ننھے منھے ہاتھ اُٹھا کر مشکیزہ دے رہی ہے۔ بس یہ عباسؑ و سکینہؑ کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد نہ عباسؑ نے سکینہؑ کو دیکھا' نہ سکینہؑ نے عباسؑ کو دیکھا۔ سکینہؑ شام کے قیدخانے میں سو گئی' عباسؑ دریا سے پلٹ کر نہ آئے۔ واہ عباسؑ! واہ عباسؑ!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۳۳)

حضرات! ایک اعلان رہ گیا تھا' آج مجلس کے بعد امام باڑہ زینبیہؑ سے حضرت عباسؑ کا علم برآمد ہوگا۔ کلیم صاحب مرحوم اس کے بانی تھے۔ اب ان کے صاحب زادے اُٹھاتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ شرکت فرمائیں (صلواۃ)۔

ارشادِ اقدسِ الٰہی ہے:

"یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ کی اولاد کو اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام عالم میں"۔

ہمارا آپ کا بیان مختلف منزلوں سے گزرتا ہوا آلِ رسولؐ تک پہنچ گیا۔ آلِ محمدؐ کون ہیں؟ آلِ رسولؐ میں علیؑ ہیں۔ یہ بہ نص قرآنی نفسِ رسولؐ ہیں۔ آلِ رسولؐ میں حضرت سیدہؑ ہیں جو بہ نص قرآنی دخترِ رسولؐ ہیں' رسولؐ کی بیٹی ہیں۔ آلِ رسولؐ میں امام حسنؑ و حسینؑ ہیں جو بہ نص قرآنی اور حکم قرآنی فرزند

رسولؐ ہیں۔ رسولؐ کے بیٹے ہیں۔ دنیا میں اپنی آل اولاد سے محبت کی اور ہر آدمی اپنی آل اولاد کی اچھائی کے لیے سوچتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے' یہ سوچتا ہے میرے بچوں کا میرے بعد کیا بنے گا؟ نوکری کرتا ہے تو فنڈ جمع کرتا ہے کہ میرے بعد میرے بچے بھوکے نہ مر جائیں۔ کھیتی باڑی کرتا ہے تو زمینوں کی کاشت میں وہ اس بات کا دھیان کرتا ہے کہ اس کی اولاد' اس کا خاندان اس کے بعد پریشان نہ ہوں اور دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ دنیا کا ہر انسان اپنی آل کے لیے کوشش کرتا ہے اور اپنی آل سے محبت کرتا ہے کیوں کہ یہ انسانی فطرت ہے۔

جب آل سے محبت کرنا انسانی فطرت ہے تو رسولؐ کو بھی اپنی آلؑ سے محبت ہو گی۔ کم از کم اتنی بات تو سمجھ میں آنا چاہیے۔ ہر انسان اپنی آل اولاد کو چاہتا ہے۔ آپ کو اپنے بچے پیارے ہیں' اپنی بیٹی پیاری ہے' اپنا بیٹا پیارا ہے' اپنا داماد پیارا ہے تو کیا رسولؐ اللہ کو اپنی بیٹی پیاری نہیں ہو گی؟ اپنا داماد پیارا نہیں ہو گا؟ اپنے بیٹے پیارے نہیں ہوں گے؟ ہر آدمی اپنی آل اولاد سے محبت کرتا ہے۔ رسولؐ بھی اپنی آل اولاد سے محبت فرماتے ہوں گے۔ اتنا تو عقل تسلیم کرتا ہے نا؟ اجر رسالتؐ سمجھ کر نہ سہی سنتِ رسولؐ سمجھ کر اہل بیتؑ سے محبت کیجیے۔

اُمت نے رسولؐ کی آلؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہ بات اگر میں تفصیل سے پڑھنا شروع کر دوں تو ظاہر ہے کہ اب تو عرصہ ہی تمام ہو گیا لیکن اگر کسی اور جگہ پڑھوں' کسی اور عشرے میں پڑھوں تو وہی مسئلہ ہے کہ دل آزاریوں کا خوف ہے اور تعلقات میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا عقل جو

کچھ کہتی ہے اس کو دیکھ لو اور خاموش رہو لیکن اُمت نے رسولؐ کی آلؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

دیکھیے! آل کا تصور معمولی انسانی تصور نہیں کہ ہم معمولی آدمی ہیں۔ ہمیں اپنے بچے پیارے ہوتے ہیں اور ہم اپنے بچوں کو چاہتے ہیں۔ اللہ والوں کی تھوڑی یہ بات ہے۔ نہیں! اللہ والوں کے ہاں یہ بات ہے کہ وہ اپنی آل کو سوچتے ہیں۔ اگر اللہ والوں کے ہاں یہ بات نہ ہوتی تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام امام بنائے گئے تو وہ اپنی ذریت کا سوال کیوں کرتے؟

قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

''اور اس کے بعد میری ذریت''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کو عہدہ مل رہا تھا تو انھیں اپنی آل کا بھی خیال آیا۔ اگر ابراہیمؑ کو عہدہ ملتے وقت اپنی آل کا خیال آیا تو محمدؐ کے سر پر جب تاج رسالت رکھا گیا تو انھیں اپنی آلؑ کا خیال نہ آئے گا؟ آج ہر ایک کا تذکرہ ہوتا ہے سوائے آلِؑ محمدؐ کے۔ ملک گیریاں ہوئیں، اقتدار کے پرچم لہرائے، ملک حاصل کیے گئے لیکن آلِؑ رسولؐ کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ جس کا ثبوت یہ ہے......

دیکھیے! یہ کوئی جذباتی چیز نہیں ہے جو میں پڑھ رہا ہوں۔ ثبوت کے ساتھ پڑھ رہا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے پچاس برس میں آلِؑ رسولؐ کو کربلا میں بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور شہید کرنے والی رسولؐ کی اُمت تھی۔ اب اس اُمت کے لیے کیا کہا جائے جو رسولؐ کی آلؑ کو مار ڈالے۔

جب کہ رسولؐ کی آلؑ جو ہے وہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ آیتِ تطہیر ہے تو وہ آلِؑ رسولؐ کے لیے، آیتِ مودت ہے تو وہ آلِؑ رسولؐ کے لیے، آیتِ مباہلہ ہے تو وہ آلِؑ رسولؐ کے لیے، سورۂ دہر ہے تو وہ آلِؑ رسولؐ کے لیے۔ قرآن مسلسل رسولؐ کی آلؑ کے لیے مدح و ثنا کر رہا ہے اور رسولؐ کی آلؑ اُمت اپنا منہ اس طرح آلِؑ رسولؐ سے موڑے بیٹھی ہے کہ جیسے اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ کہیں یہ وہ جذبہ تو نہیں ہے جو رسولؐ کو ابتر ابتر کہتے تھے کہ ان کی اولاد نہیں ہے، اس لیے دشمنی آلؑ سے ہے۔

عزیزانِ گرامی! مجھے آج آپ کو جو چیز سنانا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں چھپن برس سے عشرہ پڑھ رہا ہوں اور اس چھپن برس کے عشرے میں بہت سی چیزیں repeat ہو جاتی ہیں۔ یہ مجبوری ہے، کیا کیا جائے۔ لیکن آج جو چیز سنانے جا رہا ہوں وہ چھپن برس میں پہلے کبھی نہیں ہے (نعرۂ حیدری)۔

دیکھیے! آلِؑ رسولؐ کی سب سے بڑی عظمت کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی قبول کرے یا نہ کرے، لیکن آلِؑ رسولؐ کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ آلِؑ رسولؐ، رسولؐ کے درود میں شریک ہیں (صلواۃ)۔

آلِؑ رسولؐ برسوں کے درود میں شریک ہیں۔ صلواۃ اس وقت تک مکمل نہیں ہو گی جب تک آلؑ کا تذکرہ نہ ہو اور میں دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ بے وفا مسلمان! چھوڑ دے اہلِ بیتؑ کو جب جا تو اہلِ بیتؑ کے بغیر درود مکمل ہو جائے (صلواۃ)۔

جب جانو آلِ محمدؐ کہے بغیر درود مکمل ہو جائے۔ جب تک آلِ محمدؐ نہ کہا جائے گا اس وقت تک درود مکمل نہ ہو گا۔ آلِ محمدؐ وہ ہیں جو شریکِ درود ہیں اور درود کی اہمیت یہ ہے......

دیکھیے! آپ نے زندگی میں کئی لاکھ درود بھیجے ہوں گے' کئی ہزار بھی نہیں۔ مجالس میں شریک ہوتے ہیں عزادار ہیں' ماشاء اللہ! کئی لاکھ درود بھیجے ہوں گے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس درود کی اہمیت کیا ہے۔ اس درود کے لیے امام شافعی کہتے ہیں:

مَن لَم یُصَلِّی عَلَیکُم لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

"آلِ محمدؐ! جو آپؐ پر صلواۃ نہ بھیجے اس کی نماز، نماز نہیں ہے"۔

یعنی اگر کوئی صاحب بغیر صلواۃ بھیجے نماز پڑھے وہ نماز نہ مکمل ہے' ناقص ہے' غلط ہے' باطل ہے۔ وہ نماز، نماز نہیں مانی جائے گی۔ سارے اعمال کے لیے: اللہ فرماتا ہے کہ نماز بڑی اہم...... اس کے لیے حدیث ہے:

رُدَّ رُدَّ مَا سِوَاھَا وَاِن قُبِلَت قُبِلَ مَاسَوَاھَا

"اگر نماز رد ہو گئی تو تمام اعمال رد ہو جائیں گے اور اگر نماز قبول ہو گئی تو تمام اعمال قبول ہو جائیں گے"۔

سارے اعمال depend کرتے ہیں نماز پر' نماز depend کرتی ہے درود پر (نعرۂ حیدری)۔

اعمال ٹکے ہوئے ہیں نماز پر اور نماز ٹکی ہوئی ہے درود پر اور جس نے آلِؑ رسولؐ پر درود نہ بھیجا اس کی نماز گئی۔ اگر ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے عالم اسلام میں وہ اہل بیتؑ ہے تو غلط کہا ہے؟ اب آیئے آج ہم آپ درود پڑھیں گے اور آج کی مجلس کا عنوان ہی درود ہو جائے گا (صلواۃ)۔

آج جتنا وقت میرا ساتھ دے گا اتنی دیر میں درود پڑھوں گا۔ ذرا نئے اسٹائل سے پڑھوں گا۔ پرانے اسٹائل سے تو آپ پیدائش کے وقت سے لے کر اب تک پڑھتے آ رہے ہیں۔ اس وقت بھی مجالس میں درود ہو رہا ہے۔ یہ پرانے اسٹائل کا درود ہے۔ اب میں آج نئے اسٹائل سے درود آپ کو سناتا ہوں۔ درود جو ہے وہ کیا چیز ہے۔ پہلے یہ دیکھیے درود جو ہے وہ دعائے رحمت ہے۔

غور کیا آپ نے! پہلے میں درود کا analysis کرلوں تاکہ بچے سمجھ لیں کیا ہے۔ درود جو ہے وہ دعائے رحمت ہے۔ اللہ کی رحمت کی دعا دینا کسی کو یہ درود ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ابھی نام نہیں پہلے اس کا مطلب سمجھیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی

"پالنے والے رحمت بھیج"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

"پالنے والے رحمت بھیج محمدؐ پر"

وَّآلِ مُحَمَّدٍ

"اور محمدؐ کی اولاد پر"

clear ہو رہی ہے نا بات! بچوں کی سمجھ میں آ رہی ہے؟ درود دعائے

رحمت ہے۔

اَللّٰھُمَّ "اے اللہ!"

صَلِّ "رحمت بھیج"

عَلٰی "پر"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی "پالنے والے! رحمت بھیج"

عَلٰی "کس پر"

مُحَمَّدٍ "محمدؐ پر رحمت بھیج"

وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ "اور آلِ محمدؐ پر رحمت بھیج"

درود جو ہے وہ دعائے رحمت ہے۔ درود جو ہے وہ character میں

ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ تعلقات بامروت پر نہیں ہوتا۔ درود جو یہ وہ character

میں ہوتا ہے۔ اگر رسولؐ کا character ایسا ہے کہ ہم ان کے لیے دعائے

رحمت کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

"اے پالنے والے! رحمت بھیج محمدؐ پر"۔

اب اس کے ساتھ اگر آلؑ کا character منسلک ہے اس سے تو

آلِ محمدؐ کی گنجائش پیدا ہو گی۔ اگر آلؑ کا character اس سے attach نہیں

ہے تو آلِ محمدؐ کی گنجائش نہیں پیدا ہو گی۔

سنیے گا ذرا! اب میں درود بھیجنا شروع کرتا ہوں۔ عالم اسلام میں' دنیا میں اندھیرا تھا' ظلم کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں' ناانصافی تھی' غلاموں کی کوئی حیثیت نہ تھی' عورتوں پر ظلم ہوتے تھے' کمزوروں کو ستایا جاتا تھا۔ اللہ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا اور نبیؐ نے مبعوث ہونے کے بعد خاندان والوں کو جمع کیا اور سب کو جمع کر کے اللہ کی وحدانیت اور اسلام کی حقانیت کا پیغام دیا۔ ایسے گھٹاٹوپ اندھیرے ماحول میں مردانگی کے ساتھ کھڑے ہونے والے محمدؐ نے جب اللہ کا پیغام دیا تو ہمارے منھ سے نکلا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

"پالنے والے! محمدؐ پر اپنی رحمت نازل کر"۔

یہ درود یہیں پر ختم ہو جاتا' لیکن فوراً علیؑ نے کھڑے ہو کر نصرت کا وعدہ کیا...... (نعرۂ حیدری)

جیسے ہی نصرت کا وعدہ کیا کھڑے ہو کر ویسے ہی ہمارے منھ سے نکلا:

وَ اٰلِ محمدٍ

اب درود مکمل ہوا' دعوتِ عشیرہ میں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (صلوات)

اسلام کے پیغام کی اشاعت شروع ہوئی۔ مخالفین نے مخالفت شروع کی' کوئی کانٹے بچھا رہا ہے' کوئی پتھر مار رہا ہے' کوئی ساحر کہہ رہا ہے' کوئی مجنوں کہہ رہا ہے۔ پورا مکے کا ماحول بگڑ گیا۔ سرور کائنات' تبلیغ کرنے کے لیے نکلے۔ مکہ

کے بدبخت کافروں نے رسولؐ کے پیچھے اپنے بچوں کو لگا دیا جو رسولؐ کو پتھر مار رہے ہیں اور مجنوں مجنوں کہہ رہے ہیں۔ لیکن کیا کہنا اس رسولؐ کا جو ان تمام مخالفتوں کے باوجود یہ کہہ رہا ہے:

قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفلِحُوا

"اللہ کو ایک کہو اور نجات پا جاؤ"۔

جب رسولؐ اتنی بڑی مخالفتوں کے طوفان و سیلاب کے سامنے ڈٹے رہے ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفلِحُوا کہہ رہے ہیں تو ہمارے منھ سے نکلا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بات یہیں پر ختم ہو جاتی لیکن فوراً ان لڑکوں کو بھگانے کے لیے ایک بچہ سامنے آیا (نعرۂ حیدری)۔

گھٹائیں چھٹنے لگیں، بادل صاف ہونے لگے، دنیا والے بھاگنے لگے، لڑکے پٹ پٹ کر ہٹنے لگے۔ رسولؐ کی آواز پھیلنے لگی: قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفلِحُوا تو ہمارے منھ سے نکلا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (صلواۃ...... نعرۂ حیدری)۔

مخالفتوں کے سیلاب اٹھتے رہے، دشمنیوں کی آگ بڑھتی رہی، رسولؐ اور ان کے ساتھی پریشان کیے جاتے رہے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سہارا دیے ہوئے تھے اسلام کو، ایک صاحبِ ثروت بی بی خدیجہؑ تھیں (صلواۃ) جن کی دولت نے غریب مسلمانوں کے فاقے تڑوائے۔ دوسرے صاحبِ عصر اقتدار ابوطالبؑ تھے جن کے اثر و اقتدار نے کافروں کے بڑھتے قدموں کو بڑھنے سے روکا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ بنی ہاشمؑ کو قید کر دیا جائے۔ ابوطالبؑ، سرورِ کائنات کو لے کر اپنے

پہاڑی نما مکان میں جو ایک قلعہ تھا اور پہاڑ کی کھوہ میں بنا ہوا تھا جس کو شعب ابوطالبؑ کہا جاتا ہے' اس میں چلے گئے تاکہ رسولؐ کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ کافروں نے سپلائی لائن کاٹنا شروع کی' کھانا نہ پہنچے پانی نہ پہنچے۔ کھانے پانی کی تکلیف ہونے لگی' ضروریاتِ زندگی کی تکلیف ہونے لگی۔ پریشانی اُٹھانے لگے لوگ' لیکن رسولؐ صبر و استقبال کا پیکر بنے ہوئے جس جگہ پر تھے اسی جگہ کھڑے رہے۔ چوں کہ رسولؐ کے صبر و استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا' لہٰذا ہم نے بے تحاشا کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور جیسے ہی ہم نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہا ویسے ہی ہم کو معلوم ہوا کہ سپلائی لائن کو برقرار رکھنے والا کا نام علیؑ ہے۔ ویسے ہماری زبان سے نکلا:

وَ آلِ محمدؐ

شعب ابی طالبؑ کا زمانہ تمام ہوا۔ حضورؐ شعب ابی طالبؑ سے باہر نکلے' معاہدے کو دیمک کھا گئی۔ وہ مسئلہ ختم ہو گیا' لیکن چوں کہ شعب ابی طالبؑ میں کھانے پینے کی تکلیفیں رہی تھیں لہٰذا ابوطالبؑ اور خدیجہؑ زیادہ دن شعب ابی طالبؑ سے باہر آ کر زندہ نہ رہ سکے۔ رجب کے مہینے میں حضرت ابی طالبؑ کی رحلت چھبیسویں رجب کو ہو گئی۔ رمضان المبارک میں بی بی خدیجہؑ کی رُخصت ہو گئی۔ اس طریقے سے دو مہینے میں رسولؐ کے دو محافظ اس دنیا سے چلے گئے۔ اب کافر شیر ہو گئے۔ پھر نہ وہ بیوی تھی جس کی دولت کے احسان کے نیچے بہت سے لوگ دبے ہوئے تھے' نہ وہ ابوطالبؑ تھے جس کا دبدبہ سارے عرب میں تھا۔ اب

سکیم بنی کہ محمدؐ سے بدلہ لو۔ پہلے یہ طے ہوا کہ آپؐ کو قتل کر ڈالو۔ کہا کہ بنی ہاشمؑ زندہ نہ رہنے دیں گے' کافروں کو مار ڈالیں گے۔ سکیم flop ہو گئی۔ کہا: ان کو مکہ سے جلا وطن کر دو' نکال دو۔ کہا: یہ غلط ہے' جہاں جائیں گے اپنا ہم خیال بنا لیں گے' ان کا مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ آخری تجویز یہ آئی کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی ان کے جسم پر سوتے میں ایک ایک تلوار کا وار کرے تا کہ ان کا خون پورے عرب میں تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشمؑ کو پورے عرب سے بدلہ لینے کی جرأت نہ ہو۔ یہ تجویز منظور ہو گئی اور یہ طے ہوا کہ آج کی رات سوتے میں بستر رسولؐ پر رسولؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ اِدھر کافروں نے تجویز منظور کی' اُدھر اللہ نے جبرئیلؑ کو رسولؐ کے پاس بھیجا کہ میرے حبیبؐ! آج کی رات کافروں نے یہ تجویز سوچی ہے۔ آج کافروں نے یہ طے کیا ہے کہ تم کو سوتے میں بستر پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں' لہٰذا ہماری مشیت یہ ہے کہ تم ہجرت کر جاؤ۔

دیکھیے! عزیزانِ گرامی!

اللہ، اللہ ہے جو نمرود کے گھر میں ابراہیمؑ کو اور فرعون کے محل میں موسیٰؑ کو اور یہودیوں کے درمیان عیسیٰؑ کو بچا سکتا ہے۔ کیا مکہ میں محمدؐ کو زندہ سلامت نہیں رکھ سکتا؟ اگر اللہ چاہتا تو کسی میں مجال نہ تھی کہ رسولؐ اللہ کو ہاتھ لگا سکتا اور رسولؐ اطمینان سے مکہ میں رہتے۔ مگر وہی اللہ حکم ہجرت دے رہا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت ابوطالبؑ اور خدیجہؑ کے انتقال کے بعد رسولؐ مکہ میں رہتے تو لوگ کہتے کہ ابوطالبؑ کا اثر تھوڑا' یہ خدا کا اثر تھا کہ رسولؐ مکہ میں ٹھہرے۔

خدیجہؑ کی دولت تھوڑی‘ یہ خدا کی دولت تھی جو رسولؐ کے میں ٹھہرے۔ یہ رسولؐ کو جو ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ خدا کا حضرت ابوطالبؑ اور خدیجہؑ کو خاموش خراج عقیدت ہے کہ اب آپؐ پیارے یہاں سے کہ اب آپؐ ہجرت کر جایئے۔ رسولؐ نے علیؑ کو بلایا: یا علیؑ! یہ خبر آئی ہے‘ جبرئیلؑ آئے تھے وہ یہ کہہ گئے ہیں۔ فرمایا: آج کی رات تم میرے بدلے سو رہو گے؟ قربان جایئے علیؑ کے! تم سو رہو گے کے معاملے میں یہ نہیں پوچھا کہ میرا کیا ہوگا۔ آپؐ کے بدلے میں ٹکڑے کر دیا جاؤں گا۔ عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کی جان بچ جائے گی؟ فرمایا: ہاں! یا علیؑ! میری جان بچ جائے گی۔ پہلے شکر کا سجدہ کیا‘ پھر سر اٹھایا۔ عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ پیا ویے میں سو جاؤں گا۔ رات آئی‘ کافروں نے گھر کے گرد گھیرا ڈالا‘ علیؑ رسولؐ کی ہری چادر لے کر رسولؐ کے بستر پر لیٹ گئے اور رسولؐ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے انھی لوگوں کے درمیان سے نکل گئے۔ جو پہرہ دے رہے تھے‘ کسی نے رسولؐ کو دیکھا نہیں‘ نگاہیں کیل ہو گئیں۔ کسی نے رسولؐ کو دیکھا نہیں۔ معلوم ہوا محمدؐ میں ایک صفت یہ ہوئی کہ جب چاہے دکھائی دے‘ جب چاہے دکھائی نہ دے۔ رسولؐ تو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے‘ علیؑ تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ رسولؐ پر سو گئے۔ رسولؐ کی شانِ ہجرت کو دیکھ کر ہمارے منھ سے نکلا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور علیؑ کو سوتے دیکھ کر نکلا: وَ آلِ محمدؐ (نعرۂ حیدری)۔

صاحب نئے انداز کی صلوٰۃ ہو رہی ہے کہ نہیں۔ صلوٰۃ character پہ ہے۔ صلوٰۃ تعلقات و معاملات پر نہیں ہے۔ رسولؐ مکے سے مدینے آ گئے۔ مولا

علیؑ بھی آ گئے۔ رات بھر کافر پہرہ دیتے رہے۔ میرا موضوع نہیں ہے مگر یہ تاریخ بتاتی ہے کہ لمبے لمبے قد کے کافر بھیانک شکلوں والے رات بھر پہرہ دیتے رہے' گھر کے گرد گھوم رہے ہیں چاروں طرف چکر کاٹتے رہے ہیں' تلواریں ننگی ہاتھ میں لیے ہوئے اور اُوپر اُوپر سے کہ بنجوں کے بل دیکھ رہے ہیں کہ کہاں وہ سو رہے ہیں اور اِدھر یہ سو رہے ہیں' لیٹے نہیں ہیں سو رہے ہیں' اللہ کے ہاتھ نفس کو بیچ کر سو رہے ہیں۔ اُونچے ہو کر دیکھ رہے ہیں' یہاں سو رہے ہیں۔ یہ جاگ رہے ہیں اور علیؑ سو رہے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ اہلِ بیتؑ کا معاملہ بھی عجب ہے۔ شبِ ہجرت میں ہم نے ہمیشہ یہ لٹریچر میں پڑھا کہ عاشق جاگتا ہے اور رقیب سوتا ہے۔ وہ لوگ جو اس مجلس میں شاعری میں دلچسپی رکھنے والے ہیں اور ضرور ہوں کہ اتنے بڑے مجمع میں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُردو لٹریچر ہو یا Persian لٹریچر ہو یا عربی لٹریچر میں ہر definition میں شبِ ہجر عاشق جاگتا ہے' رقیب سوتا ہے۔ لیکن یہ شبِ ہجر عجب آئی کہ جس میں عاشق سو رہا ہے' رقیب رو رہا ہے (نعرۂ حیدری)۔

سنیے! عزیزانِ محترم!

جاگ رہے ہیں' یقین مانیے بڑی مشکل سے جاگے ہوں گے رات بھر۔ آج کل رات بھر جاگنا آسان ہے' رسولؐ اللہ کے زمانے میں مشکل تھا۔ آپ کہیں: کیوں اس زمانے میں راتیں زیادہ بڑی ہوتی تھیں اب چھوٹی ہو گئیں؟ راتیں تو اتنی ہی ہوتی ہیں جتنی رسولؐ اللہ کے زمانے میں تھیں اتنی آج بھی ہیں۔ مگر تین چیزیں اس زمانے میں نہیں تھیں جواب ہیں: ایک چائے نہیں تھی' دوسری

بیڑی نہیں تھی' تیسرے سگریٹ پی پی کر جاگتے۔ شاید کافی کا دور چلا چلا کر جاگتے۔ رات بھر جاگے' نہ سگریٹ' نہ بیڑی' نہ چائے کچھ بھی نہیں۔ سویرا ہوا تو گھر میں کودے اور جب کودے تو کسی بھیانک شکل کا آدمی آگے بڑھا اور آگے بڑھا تو سونے والے نے چادر اُلٹی تو نظر سے نظر ملی' دیکھا یہ وہ تو نہیں یہ تو علیؑ ہیں۔ بڑھتے ہوئے قدم رُکے' اس نے ڈانٹ کر کہا: بتاؤ! تمھارے بھائی کہاں ہیں؟ جتنا ڈانٹ کر کہا تھا اس سے زیادہ ڈپٹ کر فرمایا: میرے حوالے کر کے گئے ہیں جو لینے آیا ہے (نعرۂ حیدری)۔

رسولؐ مشیتِ خدا کا احترام کرتے ہوئے مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ ہمارے منھ سے نکلا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد

"پالنے والے! رحمت نازل فرما محمدؐ"۔

فوراً علیؑ کی قربانی سامنے آئی تو ہم نے کہا:

وَ اٰلِ محمد

"اور محمدؐ کی آل پر" (صلواۃ)۔

اے لیجیے! نقشہ بدل گیا۔ اب مکہ نہیں مدینہ ہے۔ یہاں مسلمان ہیں' یہاں چاہنے والے ہیں' یہاں تبلیغ میں آسانیاں ہیں' یہاں مسجد نبویؐ بن رہی ہے یہ دُشواریاں نہیں ہیں۔ کافر مکہ سے لشکر لے کر آئے۔ اگر چلے گئے محمدؐ تو کیا ہوا ہم مدینہ جا کر ان کو قتل کر دیں گے۔ ایک ہزار کفار کا لشکر لے کر جس میں بڑے

بڑے کفارانِ قریش اور بڑے بڑے اصنام (بتوں) کے چاہنے والے زبردست وہ سب اس لشکر میں مل کر آئے۔ ابوجہل بھی آیا' عتبہ بھی آیا' شیبہ بھی آیا اور کون کون آیا حضور تاریخ میں پوچھیے۔ ایک انبار لگا ہوا ہے آنے والوں کا اور یہ سب اس لیے آئے کہ ہم محمدؐ کو قتل کریں گے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ کے پاس بہت تھوڑا سا لشکر تھا۔ کفار کے ایک ہزار لشکر کے مقابلے حضورؐ کے پاس ۳۱۳ کا لشکر تھا۔ کیا کہنا اس اللہ کے رسولؐ کا' جو ہمت وجرأت کا پیکر تھا اللہ پر بھروسہ کر کے ۳۱۳ کا لشکر لے کر مقتل میں نکل آئے اور اب جو تلوار چلی رسولؐ کا استقلال قابلِ دید تھا۔ کفار نے حملہ کیا' رسولؐ نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر کفار کی طرف ماری......

ان کے منھ کالے ہوں۔ قرآن نے اس عمل کو دہرایا:

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۂ انفال: آیت ۱۷)

"یہ آپؐ نے پتھر نہیں مارے ہیں اللہ نے پتھر مارے ہیں"۔

کافروں کا منھ ٹیڑھا ہو گیا ان پتھروں سے۔ نتیجہ یہ ہوا ایک طرف اسلام کی لڑائی جس کا نام جنگِ بدر تھا وہ فتح کے قریب پہنچی اور جب فتح کے قریب پہنچی تو ہمارے منھ سے بے ساختہ نکلا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

"پالنے والے! محمدؐ پر صلوٰۃ بھیج"۔

لیکن فوراً معلوم ہوا کہ آدھے سے زیادہ علیؑ نے قتل کیے ہیں' کہا:

وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

عزیزانِ گرامی!

کردار پر صلواۃ ہے۔ ارے! چہرے مہرے پر صلواۃ نہیں ہے کہ آپ گورے رنگ کے ہیں اس لیے آپ پر صلواۃ ہے اور آپ کی داڑھی بڑی خوب صورت ہے اس لیے آپ پر صلواۃ ہے۔ نہیں! آدمی کے character پر صلواۃ ہے۔ بدر کی لڑائی مسلمانوں نے فتح کر لی۔ کافر اپنی میتیں اور زخمی چھوڑ کر بھاگے۔ زخمی قید کیے گئے میتیں بدر کے کنویں میں ڈالی گئیں۔ قصہ تمام ہوا۔ سال بھر تک مکہ میں ابوسفیان اور ہندہ نے چندہ کیا۔ ابوجہل بھی آیا تھا لڑائی میں مارا گیا تھا۔ ابولہب بوڑھا بہت تھا اس لیے نہیں آیا لیکن جب اس نے سنا کہ مسلمان جیت گئے کفار ہار گئے تو اس غم میں گھل گھل کر مر گیا وہ۔ اب ساری سرداری اور ساری کفار کی ذمہ داری ابوسفیان پر تھی۔

ابوسفیان نے اور اس کی بیوی ہندہ نے گلے میں ڈھول کو ڈال کر حزنیہ گیت گانے شروع کیے اور چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ تین ہزار کا لشکر لے کر بدر کا انتقام لینے اُحد کے مقام پر پھر لڑائی ہوئی۔ کفار بدر کے انتقام کی بات کر رہے ہیں لیکن رسولؐ کے چاہنے والے ہمت و استقلال کے ساتھ معروف جہاد تھے۔ تھوڑی دیر میں کافروں کے قدم اُکھڑنے لگے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ جب کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو رسولِؐ خدا نے ۵۰ آدمیوں کا دستہ جو متعین کیا تھا پہاڑ کے دّرے پر تا کہ کافر ادھر سے حملہ نہ کر دیں لیکن وہ رسولؐ کی مخالفت میں وہاں سے بھاگ نکلا اور مالِ غنیمت سمیٹنے میں معروف ہو گیا۔ جب کافروں نے دیکھا

کہ درہ خالی ہے تو ادھر سے حملہ کر دیا اور ادھر سے بھاگے ہوئے کافر بھی واپس آ گئے۔ چکی کے دو پاٹوں میں آ گیا ادھر سے بھی کافر اور اُدھر سے بھی کافر حملہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ ساڑھے سات سو کی فوج تو ڈیڑھ ہزار کا لشکر ادھر ہے جو ان سے لڑ رہا ہے۔ ڈیڑھ ہزار ادھر ہیں جو ان سے لڑ رہے ہیں۔ ساڑے سات سو مسلمان تھے۔ ایسے عالم میں مسلمان کہاں تک لڑتے اور کہاں تک مقابلہ کرتے' بہتیرے افراد شہید ہو گئے' بہتیرے افراد میدان چھوڑ کر چلے گئے' بہتیرے بزرگ محفوظ مقامات پر تشریف لے گئے۔ اب جو لڑائی کا نقشہ بدلا اور بگڑا تو رسولؐ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے ہیں سارا لشکر اور ساری فوج غائب ہو گئی اور رسولؐ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے ہیں۔ سبحان اللہؐ سبحان اللہ! شانِ رسالتؐ، رسالتؐ پیر پکڑے ہے جو میدان سے ہٹنے نہیں دیتی' رحمت ہاتھ پکڑے ہے جو تلوار چلانے نہیں دیتی۔ رسولؐ برحق ہیں اگر میدان سے ہٹ جائیں تو ہدایت اُلٹ جائے گا۔ رحمۃ للعالمینؐ ہیں' اگر تلوار چلانے لگیں گے تو بجلیاں برس جائیں گی۔ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے ہیں' پتھر آ رہے ہیں' تیر آ رہے ہیں' زخمی ہو رہے ہیں مگر وہیں کھڑے ہیں۔ کافروں نے رسولؐ کے گرد گھیرا ڈال دیا اور گھیرا ڈال کر نیزے سیدھے ہاتھوں میں کیے اور اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کیا۔ گھیرا تنگ ہو رہا ہے' لیکن شانِ رسالتؐ خدا کی قسم دیکھنے کے قابل ہے' سینکڑوں درود کی منزل آ رہی ہے۔ شانِ رسالتؐ دیکھنے کے قابل ہے' نہ چہرے پر زردی ہے' نہ ماتھے پر پسینہ ہے' نہ دل میں دھڑکن ہے' نہ قلب میں اضطراب ہے'

نہ ہاتھوں میں رعشہ ہے۔ جس شان سے کھڑے تھے اسی شان سے کھڑے ہیں۔ قدم لنگر ہدایت بنے ہوئے تھے ہاتھ پاسبانِ رحمت بنے ہوئے ہیں۔ اب منزل وہ آ گئی کہ نیزوں کی نوکیں رسولؐ سے دس بارہ فٹ دور رہ گئی ہیں اور دس بارہ فٹ کی دوری جو ہے یہ سیکنڈ ڈیڑھ سیکنڈ میں طے ہو جائے گی اور یہ نیزے جو ہیں جسم رسولؐ سے مَس ہو جائیں گے اور یہ چاہتے ہیں کہ رسولؐ کو نیزوں پر اپنے بلند کر دیں۔ چاروں طرف سے نیچے پہنچ گئے کہ اس گھیرے میں ایک بجلی چمکی (نعرہ حیدری)۔

اس حلقے میں بجلی چمکی اور کوئی دوسرا آدمی رسولؐ کی جگہ پر آ گیا۔ اب جو دیکھا تو وہ علیؑ تھے۔ اب جو تلوار سیدھی کر کے رسولؐ کے چاروں طرف گھوڑے کو چکر دینا شروع کیے۔ چاروں طرف جو لوگ تھے رسولؐ کے ان کے سر کٹ کر گرنے لگے۔ ایک چکر مکمل ہوا حلقہ چوڑا ہوا' دوسرا چکر مکمل ہوا حلقہ اور چوڑا ہوا' تیسرا چکر مکمل ہوا حلقہ اور چوڑا ہوا' چوتھا چکر مکمل ہوا حلقہ اور چوڑا ہوا۔ یہاں چکر لگاتے جاتے ہیں حلقہ اور چوڑا ہوتا جاتا ہے۔ اسی کا نام ہے طواف کعبہ ایمان (نعرہ حیدری...... صلوٰۃ)۔

اس کا نام ہے طواف کعبہ ایمان۔ یہاں تک چاروں طرف سے دشمن گھبرا کر ایک طرف ہو گئے اور علیؑ یہی چاہتے تھے کہ چاروں طرف کا حملہ سمٹ کر ایک طرف آ جائے۔ وہ ایک طرف آ گیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ علیؑ ان کے آگے تلوار چلا رہے ہیں اور سامنے لشکر کفار ہے تو اب میدانِ جنگ میں کوئی نہیں یا وہ خدا ہے جس نے اسلام بھیجا ہے یا وہ رسولؐ ہیں جو اسلام لائے ہیں یا وہ علیؑ ہیں جنھوں نے دعوت ذوالعشیرہ میں نصرت کا وعدہ کیا ہے (نعرہ حیدری)۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ (نعرۂ حیدری)

کسی کا ہونٹ کاٹنے میں' کسی کے سر کی ہڈی کاٹنے میں' کسی کے جسم کی پسلیاں کاٹنے میں۔ بہرحال کچھ نہ کچھ ایسا ہوا اس لیے کہ تین ہزار کا مجمع ایک طرف ہے اور اکیلا ایک آدمی ایک طرف ہے۔ یہ ایک چاہتا ہے تین ہزار کو بھگا دے اور تین ہزار چاہتے ہیں کہ اس ایک کو بھگا دیں۔ اس بیچ میں علیؑ کا تو کچھ نہیں بگڑا تلوار دیسی تھی وہ یہ پریشر برداشت نہیں کر پائی اور ٹوٹ گئی۔ جیسے ہی تلوار ٹوٹی ویسے ہی علیؑ مڑے: یارسولؐ اللہ! تلوار ٹوٹ گئی۔ رسولؐ تلوار لگائے تھے مگر اپنی تلوار نہیں دی۔ کیوں دیتے؟ جس کا سپاہی لڑے وہ بھیجے اپنے ہاں سے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

ویسے ہی جیسے ہی رسولؐ نے دیکھا تلوار ٹوٹ گئی۔ بس ایک آواز آئی' جبرئیلؑ آئے:

لَا فَتٰی اِلَّا علی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالفِقَار

رسولؐ کی اس ہمت و جرأت کو دیکھ کر بے تحاشا زبان سے نکلا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور علیؑ کی اس زبانی کو دیکھ کر بے ساختہ منھ سے نکلا: وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (صلوٰۃ)۔

بس حضور!

یہ چند مواقع تھے صلوٰۃ کے جو میں نے آپ کو سنائے۔ اسلام نے رسولؐ نے جس کو پالا تھا' پرورش کیا تھا' اولاد کی طرح سمجھا تھا اس نے رسولؐ کی جان

بچائی اور اس نے اسلام کی عزت رکھی۔ یہ رسولؐ کی آل تھی جو قتل کر کے بھی اسلام کو بچاتی تھی اور قتل ہو کر بھی اسلام کو بچاتی تھی۔

ذکرِ مصائب: شہادتِ علی اکبر علیہ السلام

عزیزانِ گرامی!

علیؑ نے نصرتِ اسلام میں قتل کر کے بھی اسلام کو بچایا ہے اور سجدے کے عالم میں اپنا سر دے کر بھی اسلام کو بچایا ہے اور اس کے بعد اولادِ علیؑ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ کربلا کے میدان میں ایک ایک کر کے اولادِ علیؑ شہید ہوئی۔ ہماری جانیں نثار ہوں اور جان قربان ہو ان جانیں دینے والوں پر! جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں اور کوئی اللہ سے شکوہ نہ کیا۔

حضور! دنیا میں اولاد بہت بڑی چیز ہوتی ہے اور ہر آدمی اپنی آل کا تحفظ چاہتا ہے لیکن یہ محمدؐ کا گھرانہ ہے جہاں علیؑ اولاد کی تمنا اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ شہید ہو۔ حسنؑ بیٹے کے بازو کا تعویز اس لیے باندھ رہے ہیں کہ اس کو اجازتِ میدان مل جائے۔ حسینؑ علی اکبرؑ کو روک نہیں رہے ہیں۔

روایت بتاتی ہے کہ جتنے شہید کربلا میں گئے سب کو امامؑ نے منع کیا، اِصرار کر کے اجازت لی لیکن جب علی اکبرؑ آئے تو علی اکبرؑ کو منع نہیں کیا۔ علی اکبرؑ کو روکا نہیں۔ عرض کیا: بابا! مجھے اجازت دیجیے۔ فرمایا: اچھا بیٹا! جاؤ خیامِ اہلِ حرمؑ سے رُخصت ہو لو۔ علی اکبرؑ خیمے میں گئے۔ مجھے نہیں معلوم ماں سے کیا باتیں ہوئیں؟ مجھے نہیں معلوم پھوپھی سے کیا باتیں ہوئیں؟ مجھے نہیں پتا وہ بہن جو چچا

کے غم میں سوگوار بیٹھی تھی اس کو کیا کہہ کر راضی کیا؟ مجھے اتنا معلوم ہے کہ علی اکبرؑ نکلنا چاہتے تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے بھرے گھر سے چراغاں نکل رہا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکل رہا ہے۔ علی اکبرؑ باپ کے پاس آئے۔ اپنا ہاتھ سر پر رکھا' کمر میں پٹکا باندھا' فرمایا: جاؤ میرے لال! جاؤ خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ علی اکبرؑ جہاد کے لیے گئے۔ حسینؑ نے اپنی آل کو راہِ خدا میں بھیج دیا۔ علی اکبرؑ مقتل میں لڑ رہے ہیں۔ حسینؑ جہادِ علی اکبرؑ دیکھ رہے ہیں۔ شاید علی اکبرؑ کے جہاد کے پردے میں تصویرِ جہادِ محمدؐ دیکھ رہے ہوں کہ اگر میرے نانا لڑتے تو یوں ہی لڑتے جیسا میرا بیٹا لڑ رہا ہے۔

تاریخ کہتی ہے کہ لڑتے لڑتے بکر ابن حاتم مقابلے میں آیا۔ امامؑ کے چہرے کا رنگ بدلا۔ بی بی لیلیٰؑ جو درِ خیمہ پر کھڑی تھیں' عرض کیا: مولاؑ! میرا لال زخمی ہو گیا؟ فرمایا: نہیں' لیلیٰؑ تمہارا لال زخمی نہیں ہوا لیکن ایک پہلوان مقابلے میں آیا ہے' جاؤ خیمے میں جا کر دعا کرو۔ بیبیوں کو جمع کیا۔ بی بی لیلیٰؑ خیمے میں ہاتھ اُٹھائے:

یَا...... یُوسُفَ عَلٰی یَعقُوب

"اے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملانے والے! میرے علی اکبرؑ کو مجھ سے ملا دے"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ علی اکبرؑ کام یاب ہو کر پلٹے۔ لوگوں نے کہا: بی بی! علی اکبرؑ کام یاب ہو کر پلٹے ہیں آ جائیں۔ اب جو مادرِ خیمہ پر آئیں تو علی اکبرؑ پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا' آنکھیں حلقے میں چلی گئی تھیں'

ہونٹ خشک ہو رہے تھے' زبان چبا رہے تھے۔ کہتے: بابا! پیاس مارے ڈالتی ہے' گرانی آب ہلاک کیے ڈالتی ہے۔ حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! عن قریب تیرے دادا آ کر تجھے کوثر سے سیراب کریں گے۔ علی اکبرؑ پھر مقتل میں گئے۔

روایت بتاتی ہے کہ درِ خیمہ پر جیسے ڈیوٹی بدل گئی ماں خیمہ میں چلی گئی' پھوپھی درِ خیمہ پر آ گئی' حسینؑ درِ خیمہ پر کمر تان کر کھڑے ہو گئے۔ ایک آواز آئی:

يَا اَبَتَا عَلَيْكَ مِنِّى السَّلَام

"اے بابا! میرا اسلام لیجیے"۔

حسینؑ نے کمر تھامی' چلے' کہا: یا علیؑ' یا علیؑ' یا علیؑ! علیؑ کو پکار رہے ہیں کہ علی اکبرؑ کو جا کر دیکھا' بیٹا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ منہ پر منہ رکھ دیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ



ادارہ منہاج الصالحین لاہور